Spot CMYK#Waheed

ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

بشرفِ دعا

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ

وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبدالسلام

مجلسِ مشاورت

مفتی محمد یونس، مفتی محمد امجد، حکیم محمد فیضان، غفار الحق

فی شمارہ............25 روپے

سالانہ.........300 روپے

پبلشرز

محمد رضوان

سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

خط وکتابت کا پتہ

ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959

راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

قانونی مشیر

الحاج غلام علی فاروق

(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 300 روپے ارسال فرماکر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ "التبلیغ" حاصل کیجئے

ڈاک کا پتہ تبدیل ہوجانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جاسکے گا

برائے رابطہ...... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17

عقب پٹرول پمپ وچمڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان

فون: 051-5507530-5507270 فیکس: 051-5780728

www.idaraghufran.org

Email: idaraghufran@yahoo.com

ترتیب وتحریر

صفحہ

اداریہ ....عورت اور دولت ....مفتی محمد رضوان ۳

درسِ قرآن (سورہ بقرہ قسط۲۵، آیت نمبر۳۴)... آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ کا حکم اور شیطان کا انکار......// // ۱۱

درسِ حدیث ....بسم اللہ کی عظمت اور فضیلت ....مولانا محمد ناصر ۱۵

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

ماہِ شوال...............................مفتی محمد رضوان ۲۰

ماہِ شوال: تیسری نصف صدی کی اجمالی تاریخ کے آئینے میں...............مولوی طارق محمود ۲۷

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب مدظلہم (قسط۷)...............ترتیب: مفتی محمد رضوان ۳۳

رمضان کی رحمتیں اور برکتیں...............................مفتی محمد رضوان ۳۶

تقلید کا ثبوت...............................عبدالواحد قیصرانی ۴۲

صحابیٔ رسول حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ...............................ابوجویریہ ۴۵

زکوٰۃ اور اموالِ تجارت...............................مفتی محمد امجد حسین ۴۷

ہدیہ وتحفہ لینے دینے کے آداب (قسط۱)...............................مفتی محمد رضوان ۵۳

ان چیزوں کے لئے اہلُ اللہ سے تعلق قائم نہ کرو...............ترتیب: مفتی محمد رضوان ۵۵

مکتوباتِ مسیحُ الامّت (بنام محمد رضوان) (قسط۶)...............ترتیب وحواشی: مفتی محمد رضوان ۵۷

اہلِ علم کو استغناء کی ضرورت...............// // ۶۰

علم کے مینار...............ہر چہ گیرد علّتی ......(قسط۱۱)...............مولانا محمد امجد حسین ۶۲

تذکرۂ اولیاء: .. تصوف کے مشہور سلسلوں کا تاریخی پسِ منظر (قسط۷)......مولانا محمد امجد حسین ۶۶

پیارے بچو! ....عید کیا ہے؟...............مفتی ابوریحان ۷۱

بزمِ خواتین ....خواتین اور اعتکاف وعید الفطر...............مفتی ابوشعیب ۷۶

آپ کے دینی مسائل کا حل...............مرّوجہ تسبیح تراویح کی شرعی حیثیت...............ادارہ ۸۱

کیا آپ جانتے ہیں؟... چند اصولی وفقہی باتیں (افادات: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب).مفتی محمد یونس ۸۶

عبرت کدہ ....حضرت ابراہیم علیہ السلام (قسط۳)...............مولوی طارق محمود ۸۸

طب وصحت...............کیلا (BANANA)...............حکیم محمد فیضان ۹۳

اخبارِ ادارہ ....ادارہ کے شب وروز...............مولانا محمد امجد حسین ۹۶

اخبارِ عالم ....قومی وبین الاقوامی چیدہ چیدہ خبریں...............ابرار حسین ستی ۹۷

Seeking Religious Knowledge Is Obligatory...............// // ۱۰۰

اداریہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مفتی محمد رضوان

عورت اور دولت

دنیا میں دو چیزیں ایسی ہیں کہ جو اس عالَم کی بقاء، اس کی تعمیر و ترقی اور اس کی رونق میں ایک بڑے ستون کا درجہ رکھتی ہیں، وہ دو چیزیں یہ ہیں۔

(۱)......ایک عورت۔

(۲)......دوسرے دولت۔

لیکن بعض اوقات یہی دو چیزیں دنیا میں فساد، خون ریزی اور طرح طرح کے فتنوں کا سبب بھی بن جاتی ہیں، فرق اتنا ہے کہ جب ان دونوں چیزوں کو اپنے اصل مقام اور مرکز و مؤقف پر رکھ کر استعمال کیا جاتا ہے، تو ایک مثالی معاشرہ تشکیل پاتا ہے، جو ہر قسم کی بے اعتدالی سے پاک ہوتا ہے اور اس میں ہر انسان کے حقوق کی رعایت ہوتی ہے۔

آج دنیا میں ان دونوں چیزوں کے استعمال میں سخت بے اعتدالیاں سامنے آ رہی ہیں، جس کی وجہ سے دنیا سخت پریشان ہے، اور عورت و دولت کے حاصل کرنے، اس کو بڑھانے اور ترقی دینے کے لئے نت نئے قانون تجویز کیے جا رہے ہیں اور پوری دنیا میں ان دونوں چیزوں کی وجہ سے ایک بھونچال مچا ہوا ہے، حقوقِ نسواں اور معاشی اصلاحات کے عنوانات سے دنیا میں مختلف ادارے قائم ہیں، جو رات دن اس موضوع پر اپنی صلاحیتوں کو خرچ کرنے اور مسائل کے حل ڈھونڈنے میں مصروف ہیں، لیکن سب لاحاصل معلوم ہوتا ہے، اور یہ مثال صادق آتی ہے ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

اسلام نے انسان کو جو نظامِ زندگی دیا ہے اس میں ان دونوں چیزوں کو اپنے اپنے صحیح مقام پر ایسا رکھا گیا ہے کہ ان کے فوائد و ثمرات زیادہ سے زیادہ حاصل ہوں اور فتنے و فساد کا نام و نشان نہ رہے۔

(۱)......عورت

جہاں تک عورت کا تعلق ہے تو اسلام نے عورت کے متعلق ایسے رہنما اصول پیش کیے ہیں کہ ان کو اختیار کرنے کے نتیجے میں عورت صحیح معنیٰ میں عورت کہلائی جاسکتی ہے اور اس سے صحیح طریقے پر فائدہ

Idara Ghufran

اٹھایا جاسکتا ہے اور عورت معاشرے کی ترقی اور رونق کا باعث ہوسکتی ہے۔

اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں پوری دنیا کی قوموں میں عورت کی حیثیت گھریلو استعمال کی چیزوں سے زیادہ نہ تھی، جانوروں کی طرح اسے خریدا اور بیچا جاتا تھا، اسے اپنی شادی بیاہ میں کسی قسم کا اختیار نہ تھا بلکہ اس کے ذمہ دار اولیاء جس کے حوالے اُسے کردیتے اُسے مجبوراً اُس کی تحویل میں جانا پڑتا، عورت کو اپنے رشتہ داروں کی میراث میں کوئی حصہ نہ ملتا تھا بلکہ عورت خود گھریلو اشیاء کی طرح وراثت کا مال سمجھی جاتی تھی، کیونکہ اسے مَردوں کی ملکیت سمجھا جاتا تھا اور وہ کسی چیز کی مالکہ نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ اگر کوئی چیز عورت کی ملکیت ہوتی بھی تو اس کے شوہر کو یہ اختیار ہوتا تھا کہ وہ اس کی چیز کو جہاں چاہے اور جیسے چاہے استعمال کر ڈالے، عورت کو پوچھنے اور بازپُرس کرنے کا بھی اختیار نہ تھا حد یہ ہے کہ یورپ کے وہ ملک جو آج دنیا کے سب سے زیادہ متمدن اور حقوقِ نسواں و آزادیٔ نسواں کے علمبردار ملک سمجھے جاتے ہیں اُن میں بعض لوگ اس حد کو پہنچے ہوئے تھے کہ عورت کے انسان ہونے کو بھی تسلیم نہیں کرتے تھے، بلکہ اسے جانوروں کا درجہ دیتے تھے۔

اسی طرح اسلام سے پہلے عورت کا دین اور مذہب سے بھی کوئی تعلق نہ تھا نہ اس کو عبادت کے قابل سمجھا جاتا نہ جنت کے حتیٰ کہ رومؔا کی بعض مجلسوں میں آپس کے مشورے سے یہ طے کیا گیا تھا کہ عورت ایک ناپاک جانور ہے، جس میں انسانیت والی روح نہیں، اور ان کے یہاں باپ کے لئے اپنی لڑکی کا قتل بلکہ قبر میں زندہ دفن کردینا بھی جائز سمجھا جاتا اور مزید یہ کہ ایسا کرنے والے باپ کی معاشرے میں مزید عزت کی جاتی تھی، بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اگر کوئی عورت کو قتل کردے تو بدلے میں اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور نہ ہی خون بہا، اور اگر شوہر مرجائے تو اس کی زندہ بیوی کو بھی اس کے ساتھ جلا دیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے کے بعد اور آپ ﷺ کو نبوت ملنے سے پہلے ۵۸۶عیسوی میں فرانس نے عورت پر یہ احسان کیا کہ بہت لمبے مشوروں اور طویل بحث ومباحثہ کے بعد یہ قرارداد پاس کی کہ عورت ہے تو انسان مگر وہ صرف مرد کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

الغرض پوری دنیا اور اس میں رہنے والی تمام اقوام و مذاہب نے عورت کے ساتھ وہ سلوک اور برتاؤ کیا ہوا تھا کہ جسے سُن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اس بے چاری مخلوق کے لئے نہ عقل کا استعمال کیا جاتا اور نہ

عدل وانصاف سے کام لیا جاتا۔

عورت کے ان مظلومانہ حالات میں اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ کوتمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ کو ایسا دین عطا فرمایا جس نے دنیا کی آنکھیں کھولدیں اور انسان کو انسان کی قدر کرنا سکھلایا اور عدل وانصاف کا قانون جاری کیا، جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر لازم کیئے ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق مردوں پر لازم کیے، عورت کو آزاد اور خود مختار بنایا، وہ اپنی جان اور مال کی ایسی ہی مالک قرار دی گئی جیسے مرد اپنی جان اور مال کے مالک ہیں، کوئی شخص خواہ باپ، دادا ہی ہو بالغ عورت کو کسی شخص کے ساتھ نکاح پر مجبور نہیں کرسکتا اور اگر بغیر عورت کی اجازت کے نکاح کر دیا گیا تو وہ نکاح اس عورت کی اجازت پر موقوف رکھا گیا، اور اگر وہ عورت اس نکاح کو نامنظور کر دے تو ایسے نکاح کو باطل قرار دیا، اسلام نے جس طرح عورت کو اپنی جان کا مالک بنایا ایسے ہی اسے اپنے مال کا مالک بھی بنایا، چنانچہ اس کے مال میں کسی مرد کو بغیر اس کی رضا واجازت کے کسی قسم کے تصرف کا کوئی حق نہیں چھوڑا گیا، شوہر کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد وہ خود مختار ہے، جہاں چاہے نکاح کرے، کوئی اس پر جبر نہیں کرسکتا، اپنے رشتہ داروں کی میراث میں عورت کو بھی ایسا ہی حصہ دار بنایا گیا جیسا کہ مَردوں کو، عورت پر خرچ کرنے اور اس کے راضی اور خوش رکھنے کو اسلام میں ایک عبادت قرار دیا گیا، حتیٰ کہ جو حقوق شوہر پر اپنی بیوی کے لازم ہوتے ہیں اگر شوہر ان کو ادا نہیں کرتا تو عورت اسلامی عدالت کے ذریعہ اپنے حقوق کا شوہر سے مطالبہ کرسکتی ہے اور اسلامی عدالت اس شوہر کو حقوق ادا کرنے پر مجبور کرے گی۔

اسلام کا اعتدال دیکھئے کہ جیسے اسلام نے عورت کو ظلم سے نجات دلائی اسی طرح اسے کُھلے مہار بھی نہیں چھوڑا بلکہ اسے مردوں کی نگرانی اور سرپرستی میں رکھا، کیونکہ عورت پر یہ لازم کرنا کہ وہ اپنے گذارے اور معاش کا خود بندوبست کرے، عورت کی حق تلفی اور اس کی بربادی ہے۔ عورت کی ساخت، اس کی گھریلو ذمہ داریاں اور اولاد کی تربیت کا عظیمُ الشان کام جو فطرۃً اسی کے لائق ہے اور وہی اس کے بوجھ کو اُٹھا سکتی ہے، مزید کسی ذمہ داری کی عورت کو اجازت نہیں دیتے۔

اس کے علاوہ مردوں کی قیادت اور نگرانی سے نکل کر عورت پورے انسانی معاشرے کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے، اور اس سے دنیا میں فساد، خون ریزی اور طرح طرح کے فتنے پیدا ہونا لازمی اور روزمرہ کا مشاہدہ ہے، اس لیے قرآن مجید میں جہاں مردوں پر عورتوں کے حقوق بیان ہوئے ہیں وہاں یہ بھی

ارشاد ہے کہ:

"وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ" یعنی مردوں کا درجہ عورتوں سے بڑھا ہوا ہے۔

نیز ارشاد ہے:

"اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النَّاسِ" کہ مرد عورتوں کے نگران اور ذمہ دار ہیں۔

مگر جس طرح اسلام سے پہلے کے زمانۂ جاہلیت میں پوری دنیا کی قومیں اس غلطی کا شکار تھیں کہ عورتوں کو ایک گھریلو سامان اور چوپایہ کی حیثیت میں رکھا ہوا تھا، اسی طرح اسلام پھیلنے کے بعد اس کے زمانۂ انحطاط میں ایک اور جاہلیت کا دور شروع ہوا، اس میں پہلی غلطی کا ردِّ عمل اس کے بالمقابل اور مخالف دوسری غلطی کی صورت میں کیا جا رہا ہے کہ عورتوں پر مردوں کی قیادت اور نگرانی سے بھی چھٹکارا حاصل کرنے کی کوششیں کی جاری ہیں جن کے نتیجہ میں بے حیائی، بے غیرتی اور فحاشی عام ہوگئی، دنیا جھگڑوں اور فساد کا گھر بن گئی، قتل وخون ریزی کی اتنی کثرت ہوگئی کہ اسلام سے پہلے کی جاہلیت کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔

عرب کا مشہور مقولہ ہے کہ:

"الجاهل امامفرط او مفرِّط"

یعنی جاہل کبھی اعتدال پر قائم نہیں رہ سکتا، کبھی بہت کمی کرتا ہے اور کبھی بہت زیادتی پر اُتر آتا ہے

یہی حال اس وقت روشن خیال اور حقوقِ نسواں اور آزادیِ نسواں کے علمبردار طبقہ کا ہے کہ ایک زمانہ میں تو یہ طبقہ عورت کو انسان کہنے اور سمجھنے کے لئے بھی تیار نہیں تھا اور آگے بڑھا تو یہاں تک پہنچا کہ مردوں کی قیادت اور نگرانی سے بھی عورت کو آزاد کر دیا، حالانکہ عورت کا مردوں کی نگرانی میں رہنا مصلحت اور حکمت کے عین مطابق تھا، مگر آج عورتوں کے مردوں کی نگرانی سے نکلنے کے برے نتائج آئے دن دیکھنے میں آرہے ہیں، یقین کیجئے کہ جب تک عورت کے معاملہ میں اسلامی اصولوں پر عمل نہ کیا جائے گا، اس وقت تک فتنوں سے حفاظت نہیں ہوسکتی اور امن اور کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی، اور انسانیت افراط وتفریط کے اندھیروں میں ہی بھٹکتی رہے گی۔

آج کی حکومتیں دنیا میں امن قائم کرنے کے لئے روز روز نئے قانون بناتی ہیں، اس کے لئے نئے نئے ادارے قائم کرتی ہیں اور کروڑوں روپیہ اُن پر خرچ کرتی ہے، لیکن فتنے جس چشمے سے پھوٹ رہے ہیں

اس کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔

اگر آج کوئی کمیشن اس تحقیق کے لئے بٹھایا جائے کہ فساد و خون ریزی اور باہمی جنگ و جدل کے اسباب کی تحقیق کرے تو خیال یہ ہے کہ پچاس فی صد سے زیادہ ایسے جرائم کا سبب عورت اور اس کی بے مہار آزادی نکلے گی ،مگر آج کی دنیا میں نفس پرستی کے غلبہ نے بڑے بڑے حکماء کی آنکھوں کو خیرہ کیا ہوا ہے،نفسانی خواہشات کے خلاف کسی دواء کو گوارا نہیں کیا جاتا،اس وقت پوری دنیا میں حقوقِ نسواں و آزادیٔ نسواں کا ڈھنڈورا پیٹ کر عورت کو شترِ بے مہار کی طرح کھلا چھوڑنے کی کوششیں ہو رہی ہیں،جس سے اب اسلامی ملک بھی محفوظ نہیں رہے،وہ بھی جاہل یورپ کے شور اور پروپیگنڈہ سے متأثر ہو کر ان کی اندھی تقلید کیے جا رہے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ اپنے گھر یعنی اسلام میں عورت کے حقوق کا کتنا تحفظ کیا گیا ہے،اور اسلام نے عورت کو صحیح معنیٰ میں عورت اور گھر کی ملکہ کا عہدہ دیا ہے۔

اسلام کی یہ تعلیمات جس طرح خود قابلِ عمل ہیں،اسی طرح کافروں کے لئے بھی عبرت و بصیرت رکھتی ہیں،مگر افسوس کہ مسلمان خود تو ان تعلیمات پر کیا عمل کرتے اور ان تعلیمات کو کافروں کے سامنے کیا پیش کرتے ،اُلٹا کافروں سے ہی سبق پڑھنے اور ان کی اندھی تقلید کرتے ہوئے اُن کی ہاں میں ہاں ملا کر آگے بڑھ کر دوہرے مجرم بن رہے ہیں۔

ایک تو شریعت کی تعلیمات کو چھوڑنے کے اور دوسرے کافروں کی تقلید کر کے۔

(۲)......دولت

جہاں تک دوسری چیز یعنی دولت کا تعلق ہے تو دولت بھی ایک ایسی چیز ہے جس کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ سے ہے،چنانچہ پوری دنیا کی معیشت سے لے کر ایک فرد کی نجی زندگی تک سب کو ہی اس سے واسطہ پڑتا ہے اس وجہ سے دنیا کے دستوروں میں سب سے اہم نظام ''معاشی نظام'' سمجھا جاتا ہے،اور دولت کے استعمال سے دنیا کی ہر قوم بحث کرتی ہے،اسلام نے بھی اپنے ماننے والوں کی اس بارے میں رہنمائی کی ہے۔

اسلام نے دولت حاصل کرنے کے ذرائع اور خرچ کرنے کے طریقے اور تقسیمِ دولت کا ایسا عادلانہ نظام پیش کیا ہے جس کی دنیا میں کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی ،اور اسلام کا معاشی نظام ہی اصل اور صحیح معاشی نظام کہلائے جانے کا مستحق ہے۔

اسلامی اور غیر اسلامی نظام ہائے معیشت کے درمیان بنیادی فرق یہی ہے کہ غیر اسلامی معیشت کا بنیادی مسئلہ اور انتہائی کامیابی دنیا کی ترقی ہے جبکہ اسلامی معیشت میں یہ چیزیں ضمناً تو شامل ہیں، لیکن انسان کی زندگی کا اصل مقصد اور مسئلہ نہیں کیونکہ اسلام یہ کہتا ہے کہ اس مال ودولت کے اصل مالک درحقیقت اللہ تعالیٰ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انسان کو بھی اس مال ودولت کی ایک درجہ میں ملکیت دی ہے لہٰذا اس مال ودولت کے اصل مالک کی رضامندی اور اس کے حکم کے مطابق ہی اسے استعمال کیا جائے۔

اس کے برخلاف غیر اسلامی معیشت کے نظاموں میں زیادہ مشہور دو نظام ہیں ایک سرمایہ داری اور ایک اشتراکیت، یہ دونوں نظام باہم متضاد ہیں اور اسلامی نظام اس بارہ میں غایت درجہ معتدل ہے افراط اور تفریط کے ٹھیک درمیان میں ہے اور جو عقلی اور فطری اصولوں پر مبنی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام سے مراد ایسا نظام جس کی بنیاد آزاد اور خود مختار ملکیت پر ہے، جس نے جو کمایا وہی اُس دولت کا حق دار ہے، کسی دوسرے حتی کہ حکومت اور مذہب کا بھی اس دولت میں کوئی حق نہیں، بلا امتیاز حلال وحرام اور بلا فرق جائز وناجائز جس طرح ممکن ہو مال ودولت کو جمع کرلیا جائے اور مال وزر کی طاقت سے جس قدر زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کیا جاسکے وہ حاصل کرلیا جائے اور اس نفع میں سے مزدور کو جتنا کم سے کم دیا جاسکے اتنا ہی کم دیا جائے تاکہ سرمایہ دار کی حکومت اور برتری مزدور پر قائم رہے اور مزدور کسی وقت سرمایہ دار کے شکنجہ سے نہ نکل سکے اور اس نظام کی بنیاد تمام تر سود پر قائم ہے تمام بینک اسی سودی کاروبار کے لئے ہیں اور غیر محدود سرمایہ کی فراہمی اس نظام کا مقصود حیات ہے جو جس قدر سرمایہ کا مالک ہے وہ اسی درجہ کا سردار ہے اور مزدور اس کے سامنے مجبور اور لاچار ہے اس لئے کہ یہ طبقہ تمام وسائل آمدنی اور ذرائع معاش پر قابض ہے اس لئے غریب اس کے سامنے لاچار ہوگئے اس نظام میں تحصیل دولت کے لئے کسی قسم کی مذہبی اور اخلاقی پابندی نہیں سود ہو یا قمار ہو جس طرح دولت حاصل کرسکو کرتے رہو۔

جس طرح یہ گروہ تحصیل دولت میں مذہبی اور اخلاقی پابندیوں سے آزاد ہے اسی طرح وہ خرچ کرنے میں بھی مذہبی اور اخلاقی پابندیوں سے آزاد ہے جس طرح چاہو کماؤ اور اپنی عیش وعشرت کے لئے جس طرح چاہو اڑاؤ، کسی کو دخل اندازی کا اختیار نہیں۔

اشتراکیت یا سوشلزم دراصل سرمایہ دارانہ نظام کی بالکل ضد ہے، جب غرباء سرمایہ داری نظام کے ظلم اور تشدد سے تنگ آگئے اور دیکھا کہ سرمایہ دار تو ہر اعتبار سے خود مختار ہے اور بے چارہ مزدور بے بس اور

بالکل مجبور اور لاچار رہے تو سرمایہ داری سے اس قدر متنفر اور بیزار ہوئے کہ سرمایہ داری سے انتقام کے لئے ایک نیا نظام قائم کیا جس کا نام اشتراکیت رکھا اور جوش عداوت ونفرت میں انفرادی اور شخصی ملکیت کو ممنوع قرار دیا اور اس کے ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا، یہ اشتراکیت کا پہلا اصول ہوا اور پھر دوسرا اصول یہ قائم کیا کہ ملک کی دولت مساوی طور پر تقسیم ہونی چاہئے اور کسی فرد کو بھی دولت پر خودمختارانہ تصرف کا کوئی حق باقی نہ رہے اور ملکی آمدنی کے تمام وسائل خواہ وہ صنعت وحرفت سے متعلق ہوں یا زراعت سے متعلق ہوں وہ سب حکومت کی ملک تصور کئے جائیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے جھوٹ اور ہر مکر وفریب سب کو جائز قرار دیا جائے۔

الغرض اشتراکیت کے دو اصول سب سے اہم ہیں ایک یہ کہ ذاتی ملکیت کوئی چیز نہیں اشتراکیت کا مقصد یہ ہے کہ ملک سے انفرادی ملکیت کا خاتمہ کر دیا جائے اور اجتماعی ملکیت قائم کر دی جائے اور آج کل کی اصطلاح میں اس کا نام قومی ملکیت ہے اور قومی خزانہ ہی ملک کا رزاق ہے وزیر خزانہ جس قدر منظوری دے دے وہ اس کا احسان ہے اس اشتراکی نظام نے ملک کے تمام افراد کی املاک پر قبضہ کر کے ریاست اور حکومت کو سب سے بڑا سرمایہ دار بنا دیا ایک اژدھا جو چھوٹے سانپوں کو نگل کر بڑا سانپ بن گیا ہے اور دوسرا اصول یہ ہے کہ ملک کی دولت تمام اہل ملک پر برابر تقسیم ہونی چاہئے کسی کو کسی قسم کا امتیاز حاصل نہیں معاشی لحاظ سے تمام افراد ملک میں مساوات ہونی چاہئے۔

یہ دو اصول تو مزدور طبقہ نے اپنے دفاع کی حد تک قائم کیے، اور اس دفاع کا مقصد یہ تھا کہ کھیتوں کے کاشتکاروں اور کارخانہ کے مزدوروں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ہو مزدور راج قائم ہو جائے۔

اشتراکیت کے پہلے دونوں اصول عقل اور فطرت کے خلاف ہیں۔ جس کو عنقریب ہم بیان کریں گے اور تیسرا اصول بھی غلط ہے جو پہلے دو اصولوں کا نتیجہ ہے یہ فرقہ مذہب اور اخلاق سے غایت درجہ بعید ہے اور مذہب کے نام سے متنفر اور بیزار ہے حتیٰ کہ خدا تعالیٰ کا بھی قائل نہیں چہ جائیکہ خدا تعالیٰ کو اپنا مالک اور رزاق سمجھے۔

پہلا فرقہ (سرمایہ دار) اگرچہ حصول زر میں حلال وحرام کا قائل نہیں مگر خدا تعالیٰ اور آسمانی مذہب کا تو قائل ہے اور دوسرا گروہ اشتراکی سرے سے خدا تعالیٰ کا منکر ہے اور کسی آسمانی مذہب کا قائل نہیں البتہ اپنے نفسانی مذہب کا قائل ہے جو اس کے نفس نے بنایا ہے غریبوں اور مزدوروں نے جب سرمایہ داروں کی

عیش وعشرت اور پر شوکت زندگی کو دیکھا تو حرص اور طمع نے ان کی نظروں کو چکا چوند بن دیا اس لئے ان بھوکے اور بے صبرے اور لالچی فقیروں نے جب اشترا کی نعرہ سنا تو اس کی دلفریب آواز پر ایسے مفتون ہوئے کہ دولتمندوں کے دشمن ہو گئے۔اشترا کیت اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہونے کی وجہ سے خلافِ فطرت نظام تھا اس لئے ایک صدی کے اندر اندر اپنے انجام کو پہنچا۔

اسلام میں نظریہ اشترا کیت کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں یہ نظریہ سراسر عقل کے خلاف ہے اس گروہ کا قبلہ وکعبہ پیٹ ہے اور ہر وقت پیٹ ہی کا نعرہ ہے اور ہر طرف سے شکم شکم کی آواز ہے تمام مسائل زندگی کا مبدا اور انتہاء یہی پیٹ ہے اور سرمایہ داری نظام کا محور نفسانی خواہشات اور لذت اور عیش وعشرت کی زندگی ہے ہر دو گروہ حرص وطمع کا شکار ہیں اور اپنے اپنے طریقہ سے لوٹ کھسوٹ میں پوری طرح مگن ہیں اختلاف فقط صورت کا ہے سرمایہ داری نظام میں حرص کی صورت ذرا خوبصورت ہے اور اشترا کیت میں بدنما ہے کیونکہ اشترا کیت میں لوٹ مار اور مار دھاڑ ہے جو بظاہر سرمایہ داری میں نہیں۔

ان دو نظاموں کے علاوہ غیر اسلامی نظام ہائے معیشت نے ایک تیسرا نظام بھی متعارف کروایا جو جاگیردارانہ نظام کہلوایا،اس کے نتیجے میں ایک جاگیردار طبقہ ہی سارے سیاہ وسفید کا مالک بن سکتا ہے،اور کاشت کار ہر حیثیت سے اس طبقہ کا غلام حتیٰ کہ حکومت بھی اس جاگیردار طبقہ کے معاملات میں دخل اندازی کا اختیار نہیں رکھتی۔

اسلامی نظام: اسلامی نظام اس افراط اور تفریط کے درمیان ایک معتدل راہ ہے اسلام شخصی اور انفرادی ملکیتوں کو جائز اور معتبر بناتا ہے اور واجب الاحترام قرار دیتا ہے اور دوسرے کی ملکیت میں تعدی اور دست درازی کو حرام قرار دیتا ہے جیسا کہ قرآن وحدیث ذاتی ملکیت کے احکام سے بھرے پڑے ہیں ......اسلام نے شخصی اور ذاتی ملکیت کو جائز اور معتبر قرار دیا مگر مال ودولت پر حقوق وفرائض بھی عائد کیے ہیں ......اسلام سرمایہ دارانہ نظام کی طرح ملکیت مطلقہ کی اجازت نہیں دیتا کہ مالک پر کوئی زکوۃ اور عشر اور کسی قسم کا کوئی فریضہ اس پر عائد نہ ہو اور مالک کو بالکل اختیار ہو کہ اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے۔

یاد رکھیے کہ! جب تک عورت اور دولت کے اصل مالک اور خالق کے پیش کردہ اور طے کیے ہوئے اُصولوں کو اختیار نہیں کیا جائے گا،کبھی بھی ان دونوں چیزوں کے اصل منافع اور فوائد حاصل نہیں کیے جاسکیں گے، قیامت تک قانون بنتے اور ٹوٹتے رہیں گے،اور فتنوں میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا یہاں تک کہ اسی حال میں قیامت قائم ہو جائے گی۔محمد رضوان۔۱۳/ ۹/ ۱۴۲۷ھ

درسِ قرآن (سورہ بقرہ قسط ۲۵، آیت نمبر ۳۴) مفتی محمد رضوان

آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ کا حکم اور شیطان کا انکار

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ. اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے حکم دیا سب فرشتوں کو کہ سجدہ میں گر جاؤ آدم کے سامنے تو سب سجدہ میں گر پڑے، سوائے ابلیس کے کہ اس نے کہنا نہ مانا اور تکبر کیا اور ہو گیا کافروں میں سے ﴿

تفسیر وتشریح

گذشتہ آیات سے تعلق

پچھلے واقعہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت اور فوقیت فرشتوں پر ظاہر ہو چکی اور دلائل سے یہ ثابت ہو گیا کہ زمین میں خلافت کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے وہ حضرت آدم علیہ السلام میں موجود ہیں اور فرشتوں کو یہ سارے علوم حاصل نہیں اور جنات بھی ان سب علوم سے واقف نہیں ہیں، اب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت اور فوقیت کو ایک خاص طریقے سے ظاہر فرما دیا جائے، اور فرشتوں اور جنات سے ان کی کوئی خاص تعظیم کرائی جائے جس سے یہ ظاہر ہو جائے کہ حضرت آدم علیہ السلام ان دونوں سے افضل ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام خلافت کے لئے ضروری علوم سے فرشتوں اور جنوں سے زیادہ واقف بلکہ دونوں کے علوم کے جامع ہیں۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں اور جنوں پر علم میں فضیلت حاصل ہو گئی تو اب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں اور جنات جیسی غیر کامل مخلوق پر عملی طور پر فضیلت دینے کا ارادہ فرمایا تا کہ یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں اور جنات دونوں سے کامل اور مکمل ہیں، اسی وجہ سے تو یہ دونوں ان کی تعظیم بجا لا رہے ہیں اور عملاً اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ جو اوصاف اور کمالات ان دونوں میں موجود ہیں وہ تنہا حضرت آدم علیہ السلام میں موجود ہیں۔ لہٰذا اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو عملی تعظیم دینے

کا طریقہ تجویز فرمایا اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا کہ:

وَاِذْقُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ. اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ . الآية

یعنی ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں، سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ سے انکار کیا اور غرور میں آ گیا (معارف القرآن عثمانی جلد ا صفحہ ۱۸۷ بتغیر)

کیا سجدہ کا حکم جنات کو بھی تھا؟

اس آیت کے شروع میں حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم فرشتوں کو دیا گیا ہے جبکہ بعد میں یہ فرمایا گیا ہے کہ سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ نہیں کیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آدم علی علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم اس وقت کی تمام عقل وفہم رکھنے والی مخلوقات کو دیا گیا تھا جن میں فرشتے اور جنات سب داخل تھے، لیکن سجدہ کرنے کے حکم میں صرف فرشتوں کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ ان تمام ذی عقل مخلوقات میں سب سے افضل اور اشرف تھے لہٰذا جب آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم فرشتوں جیسی افضل مخلوق کو دیا گیا تو جو مخلوقات فرشتوں سے درجہ میں کم تھیں اُن کا اس حکم میں شریک ہونا زیادہ ظاہر ہے

(معارف القرآن عثمانی جلد ا صفحہ ۱۸۸، بتغیر)

سجدۂ تعظیمی پہلی امتوں میں جائز تھا امتِ محمدیہ میں جائز نہیں

اس آیت میں فرشتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور سورۃ یوسف میں مذکور ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اور ان کے والد مصر پہنچے تو انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ سجدہ عبادت کے لئے نہیں تھا کیونکہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت شرک اور کفر ہے اور یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کسی زمانے اور کسی شریعت میں اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت جائز رہی ہو، اس لیے اس کے علاوہ کوئی احتمال نہیں کہ مذکورہ انبیاء کے لئے جو سجدہ ثابت ہے وہ تعظیم کو ظاہر کرنے والا سجدہ ہے عبادت والا سجدہ نہیں اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ گذشتہ انبیاء کی شریعتوں میں سجدہ کا وہی درجہ تھا جو ہماری شریعت میں سلام، مصافحہ، معانقہ یا تعظیم کے لئے کھڑے ہونے کا ہے، لہٰذا جس طرح ہماری شریعت میں سلام، مصافحہ وغیرہ جائز ہیں گذشتہ انبیاء کی شریعتوں میں تعظیم کے لئے سجدہ کرنا بھی جائز تھا۔

درحقیقت بعض کام ایسے ہوتے ہیں جو خود تو گناہ نہیں ہوتے لیکن گناہ میں مبتلا کرانے کا ذریعہ بن سکتے

ہیں، گذشتہ انبیاء کی شریعتوں میں ایسے کام مطلقاً منع نہیں تھے بلکہ صرف اتنا حکم تھا کہ ان کاموں کو شرک یا کفر کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔لیکن لوگ اپنی جہالت اور انبیاء کی تعلیمات بُھلا دینے کی وجہ سے آخر کار ان کاموں کی وجہ سے شرک اور کفر میں مبتلا ہوجاتے تھے اور جب وہ لوگ گمراہی میں حد سے آگے بڑھ جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ دوسرا نبی دنیا میں بھیج دیتے تھے جو دنیا میں تشریف لاکر لوگوں کو شرک سے باز رہنے اور توحید اختیار کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔

لیکن حضور ﷺ کی شریعت میں وہ تمام کام جو اپنی ذات میں گناہ اور کفر نہیں تھے لیکن کسی بھی زمانے میں کفر اور شرک میں مبتلا کرانے کا ذریعہ بنے تھے، مطلقاً ناجائز قرار دیے گئے، اگرچہ ان کو کفر وشرک کے طور پر نہ کیا جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ کی شریعت آخری شریعت ہے، حضور ﷺ کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا جو دنیا میں آکر لوگوں کی اصلاح کرتا لہٰذا جس کام میں بھی یہ شبہ تھا کہ وہ آگے چل کر کفر اور شرک کا ذریعہ بن سکتا ہے اس کام کو شریعتِ محمدیہ میں مطلقاً ہی ناجائز قرار دے دیا گیا۔

چونکہ سجدۂ تعظیمی کا تعلق بھی ایسے اعمال سے ہے جو آنے والے وقت میں شرک اور کفر کا ذریعہ بن سکتے تھے (درگاہوں اور بزرگوں کے مزارات پر اس کے بکثرت نمونے اہلِ بدعت وھویٰ اپنے عمل وقول وحال سے پیش کرتے ہیں) اس لیے حضور ﷺ کی شریعت میں سجدۂ تعظیمی کو ہی ناجائز قرار دے دیا گیا، چنانچہ متعدد احادیث میں اس امت کے لئے سجدۂ تعظیمی کے حرام ہونے کی صراحت موجود ہے (معارف القرآن عثمانی جلد ا صفحہ ۱۸۸ تا ۱۹۰، بتغیر)

ابلیس کون ہے اور اس کے کفر کی وجہ کیا ہے؟

ابلیس اصل میں جنات میں سے ہے، مگر فساد اور خون ریزی کی وجہ سے جب جنات کو زمین سے نکال کر جزیروں اور پہاڑوں میں منتشر کیا گیا تو ابلیس نے جو ان میں بڑا عالم اور عابد تھا، فساد اور خون ریزی سے اپنا بے لوث ہونا ظاہر کیا، تو فرشتوں کی سفارش سے بچ گیا اور فرشتوں میں رہنے کی اجازت ہوگئی مگر دل میں یہ لالچ لگی رہی کہ کسی طرح زمین کی حکومت مجھے مل جائے، اس لالچ میں خوب عبادت کرتا رہا، جب حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا وقت آیا اور تمام فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا تو ابلیس اس وقت ناامید ہوا اور تکبر وحسد نے اس کو حق تعالیٰ کے مقابلہ اور معارضہ پر آمادہ کیا اور ہمیشہ کے لئے ملعون ہوا (معارف القرآن ادریسی جلد ا صفحہ ۱۲۵)

ابلیس کے کافر ہونے کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اعتراض کیا تھا، ورنہ صرف کسی عملی فرض کے چھوڑنے سے کوئی کافر نہیں بنتا جب تک کہ دل سے اس فرض کا انکار یا اس کی توہین اور اعتراض نہ کرتا ہو، کیونکہ ابلیس نے صرف فرض چھوڑا نہیں تھا بلکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر غرور کی وجہ سے اعتراض کیا تھا اس لیے وہ کافر ہوا (معارف القرآن عثمانی جلد ا صفحہ ۱۹۰، بتغیر)

عید کے دن مسنون و مستحب اعمال

صبح کو بہت سویرے اٹھنا★ شریعت کے موافق آرائش کرنا★ غسل کرنا★ مسواک کرنا★ عمدہ کپڑے جو میسر ہوں پہننا مگر تکبر اور فخر کی نیت نہ ہو اور حد سے نہ بڑھا جائے نہ ہی اس کے لئے قرض لیا جائے بلکہ اعتدال ہو ★ عید کی نماز کے لئے جلدی پہنچنا★ کوئی عذر نہ ہو تو عید گاہ میں نماز ادا کرنا (امام کا صحیح العقیدہ اور متبع سنت نہ ہونا بھی عذر ہے)★ نماز عید سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھا لینا لیکن بعض لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ عید کی رات میں روزہ ہوتا ہے اور وہ صبح کو میٹھی چیز سے افطار کیا جاتا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ★ عید کی نماز سے پہلے صدقہ فطر ادا کر دینا ★ جس راستہ سے جائیں اس کے علاوہ سے واپس آنا★ پیدل جانا★ راستے میں آتے جاتے آہستہ آہستہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْد پڑھنا **تنبیہ:** داڑھی ایک مٹھی سے کم کرنا★ شیو کرنا★ خلافِ شرع فیشن نما کپڑے پہننا، شلوار وغیرہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا★ بالوں وغیرہ کی کٹنگ انگریزی طرز پر کرنا شریعت کے موافق آرائش میں داخل نہیں کہ یہ عید کی سنت ہو بلکہ گناہ ہے اسی طرح عید کے دن پڑوسی اور نامحرم عورتوں سے اجنبی مردوں کا عیدی ملنا اور بے محابا سامنے آنا جانا ناجائز ہے اور جسم کو چھونا دوسرا گناہ ہے★ عید کے دن خاص سویوں یا عیدی کے لین دین کو عید کی سنت قرار دینا یا لازم سمجھنا جائز نہیں سنت اور لازم سمجھے بغیر خالی الذہن ہو کر جائز ہے★ خاص عید کے دن قبرستان جانا عید کی سنت نہیں لہٰذا اس کا اہتمام والتزام اور عید کی سنت یا حصہ سمجھنا اور نمازِ عید کی طرح اس کا اہتمام کرنا جائز نہیں (کذافی فتاویٰ محمودیہ ج ۲) مگر عورتوں کا تو آج کے ماحول میں عید کے علاوہ بھی قبرستان جانا جائز نہیں اور اس میں کئی خرابیاں جمع ہیں (شامی)★ بعض لوگ پہلی عید پر فوتگی والے گھر میں جانا ضروری سمجھتے ہیں اور فوتگی والے گھر کے افراد خوشی منانا اور اچھے کپڑے پہننا معیوب سمجھتے ہیں، یہ دونوں باتیں شرعاً ثابت نہیں عوام کی خود ساختہ ہیں لہٰذا ان سے بچنا چاہئے۔ فجر کے بعد عید کی نماز سے پہلے کوئی نفل نماز نہیں ہے اور عید کی نماز کے بعد اسی جگہ کوئی نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے۔ البتہ بعد میں گھر آ کر جائز ہے (ماخوذ از ''شوال اور عید الفطر کے فضائل و احکام'')

درسِ حدیث

مولانا محمد ناصر

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

بسم اللہ کی عظمت اور فضیلت

عَنْ جَابِرِبْنِ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ لَمَّانَزَلَتْ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ هَرَبَ الْغَنَمُ اِلَی الْمَشْرِقِ،وَسَکَنَتِ الرِّیْحُ وَهَاجَ الْبَحْرُوَاَصْغَتِ الْبَهَائِمُ بِآذَانِهَا،وَرُجِمَتِ الشَّیَاطِیْنُ مِنَ السَّمَاءِ ،وَحَلَفَ اللّٰہُ بِعِزَّتِہٖ وَجَلَالِہٖ اَنْ لَّایُسَمّٰی عَلٰی شَیْئٍ اِلَّابَارَکَ فِیْہِ (الدرالمنثور للسیوطی جلد ۱ ،سورة الفاتحة ،بحواله ابن مردویه والثعلبی) [۱]

”حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،انہوں نے فرمایا کہ جب ”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم“ نازل ہوئی تو بکریاں مشرق کی طرف بھاگ پڑیں، ہوا ٹھہر گئی،سمندر جوش میں آ گیا اور چوپایوں نے کان لگا کر سُنا اور آسمان سے شیطانوں کو مارا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت اور اپنی عظمت کی قسم کھالی کہ جس چیز پر بھی یہ پڑھی جائے گی میں اس میں برکت ڈال دوں گا“

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وہ آیت ہے جس کے نازل ہونے سے دنیا میں ایک انقلاب رونما ہوا اور اس سے جاندار اور بے جان سب پر ہی ایک خاص حالت طاری ہوگئی،حتّٰی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں ہے کہ:

لَمَّانَزَلَتْ بِسْمِ اللّٰہِ ضَجَّتْ جِبَالُ مَکَّةَ ،وَسَمِعَ اَهْلُ مَکَّةَ دَوِیًّا، فَقَالُوْاقَدْ سَحَرَ مُحَمَّدٌ(تفسیر الدرالمنثور للسیوطی جلد ۱ ،سورة الفاتحة ،بحواله ابونعیم والدیلمی) [۲]

کہ ”جب بسم اللہ نازل ہوئی تو مکہ کے پہاڑ چیخ اُٹھے اور مکہ کے رہنے والوں نے بھی آواز سنی تو کہنے لگے کہ یقیناً محمد ﷺ نے جادو کیا ہے“

---

[۱] کذافی تفسیر فتح القدیر للشوکانی،باب ۱ جز ۱ صفحه۳ بحواله ابن مردویه والثعلبی و احکام القنطرة فی احکام البسملة جلد ۱ صفحه۷ بحواله الدرالمنثور.

[۲] کذافی تفسیر فتح القدیر للشوکانی،باب ۱ جز ۱ صفحه۳ بحواله ابونعیم والدیلمی واحکام القنطرة فی احکام البسملة جلد ۱ صفحه۵ بحواله الدرالمنثور.

Idara Ghufran

ان روایات سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی عظمت معلوم ہوتی ہے، بسم اللہ کی اسی عظمت کی وجہ سے حضورﷺ نے اپنی امت کو ہر اہم اور قابلِ ذکر کام سے پہلے اسے پڑھنے کی ترغیب دی ہے، چنانچہ مختلف کاموں سے پہلے جو دعائیں رکھی گئی ہیں اُن میں سے بہت سی ایسی ہیں جو بسم اللہ سے شروع ہوتی ہیں اور ان دعاؤں کے پڑھنے سے دنیا اور دین کے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

گھر میں داخل ہوتے وقت، گھر سے نکلتے وقت، مسجد میں داخل ہوتے وقت، مسجد سے نکلتے وقت، وضو شروع کرنے سے پہلے، کھانا کھانے سے پہلے، کھانے پینے اور دوسرے مختلف نقصانات سے بچنے کی دعا سے پہلے، سواری پر سوار ہوتے وقت، مریض کی تیمارداری کے وقت، آفات سے حفاظت کے وقت، ذبح کرتے وقت غرضیکہ دین اور دنیا کے بے شمار ایسے مواقع اور ایسے کام ہیں جن سے پہلے حضورﷺ نے بسم اللہ پڑھنے کی ترغیب اور اس کے مختلف فضائل بیان فرمائے ہیں۔

اس لیے ہر مسلمان کو اس سنت کی اتباع کرتے ہوئے سونے، جاگنے، اٹھنے، بیٹھنے، کوئی کتاب پڑھنے، کہیں ٹھوکر لگنے، کوئی خط لکھنے، اپنے روزگار کا کام شروع کرنے اور خواتین کو بھی اپنے گھریلو اور تمام جائز کاموں سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی عادت ڈالنی چاہیے اور اپنے روزمرہ کے کاموں کو بسم اللہ سے شروع کرنا اپنی پوری زندگی کا معمول بنالینا چاہیے، اس طرح وہ کام بھی ہو جائیں گے اور ثواب بھی حاصل ہوگا کیونکہ اس طرح یہ سارے کام جو بظاہر دنیوی نظر آرہے ہیں عبادت بن جائیں گے اور اگر بسم اللہ نہ پڑھی تو کام تو پھر بھی ہو جائیں گے لیکن بسم اللہ پڑھ کر جو فضیلت اور ثواب حاصل ہو سکتا تھا اس سے محرومی ہوگی، اور ویسے بھی بسم اللہ اسلام کے شعائر میں سے ہے اور بسم اللہ سے اپنے اہم کاموں کو شروع کرنا مسلمان کی پہچان ہے (آسان نیکیاں صفحہ ۴۱، بتغیر)

ایک حدیث مبارکہ میں بسم اللہ پڑھنے کی فضیلت حضورﷺ نے یہ ارشاد فرمائی:

مَنْ قَالَ بِسْمِ اللّٰہِ کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ بِکُلِّ حَرْفٍ اَرْبَعَۃَ آلَافٍ حَسَنَۃً وَمَحٰی عَنْہُ اَرْبَعَۃَ آلَافٍ سَیِّئَۃً (الدر المنثور للسیوطی جلد ۱، سورۃ الفاتحۃ، بحوالہ الدیلمی عن ابن مسعود مرفوعا و احکام القنطرۃ فی احکام البسملۃ جلد ۱ صفحہ ۵ بحوالہ الدر المنثور)

”جس نے بسم اللہ پڑھی اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں دس ہزار نیکیاں لکھ دیتے ہیں اور دس ہزار اس کے گناہ معاف کردیتے ہیں“

بسم اللہ کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا مرتبہ حاصل ہے اور اس کا ادب کرنے والے کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک

کیا مقام اور درجہ ہے اس کے بارے میں ایک روایت میں ہے کہ

مَنْ رَفَعَ قِرْطَاساً مِّنَ الْاَرْضِ فِیْهَا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِجْلالاً لَهُ اَنْ یُّدَاسَ، کُتِبَ عِنْدَاللّٰهِ مِنَ الصِّدِّیْقِیْنَ (الدرالمنثور للسیوطی جلد ۱، سورة الفاتحة، بحواله خطیب فی تالی التلخیص عن انس مرفوعا) [۱]

یعنی ''جو شخص زمین سے احترام کی وجہ سے ایسا کاغذ اٹھائے جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہوئی ہو کہ کہیں وہ کاغذ پاؤں میں نہ روندا جائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسے صدیقین کے درجہ دیا جاتا ہے''

غور کرنے کا مقام ہے کہ صدیقین کا اتنا بڑا درجہ اللہ تعالیٰ کس عمل پر عطا فرما رہے ہیں، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عمل کی بہت اہمیت ہے۔

ایک روایت میں جہنم کے سپاہی فرشتوں (جن کی تعداد انیس ہے) سے بچنے کا طریقہ بسم اللہ کے ورد کو قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا:

مَنْ اَرَادَاَنْ یُّنَجِّیَهُ اللّٰهُ مِنَ الزَّبَانِیَةِ التِّسْعَةَ عَشَرَ فَلْیَقْرَأْ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(الدرالمنثور للسیوطی جلد ۱، سورة الفاتحة، بحواله وکیع والثعلبی عن ابن مسعود) [۲]

کہ ''جو شخص یہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے جہنم کے انیس سپاہی فرشتوں سے نجات دلا دے تو وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے''

ایک دوسری روایت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم خوبصورتی کے ساتھ لکھنے کی یہ فضیلت بیان ہوئی ہے:

مَنْ کَتَبَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، فَجَوَّدَهُ تَعْظِیْماً لَّهُ، غُفِرَلَهُ

(الدرالمنثور للسیوطی جلد ۱، سورة الفاتحة، بحواله ابونعیم فی تاریخ اصبهان وابن اشته فی کتاب المصاحف عن انس مرفوعا) [۳]

یعنی ''جس نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تعظیم کی وجہ سے اِسے خوبصورت کر کے لکھا تو اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے''

---

۱ کذافی احکام القنطرة فی احکام البسملة جلد ۱ صفحه ۵ بحواله الدرالمنثور.

۲ کذافی احکام القنطرة فی احکام البسملة جلد ۱ صفحه ۵ بحواله الدرالمنثور

۳ کذافی احکام القنطرة فی احکام البسملة ''قال السیوطی فی الدر المنثور ''سندهٗ ضعیف'' ومن المقرران الضعیف یکفی فی فضائل الاعمال'' جلد ۱ صفحه ۵ بحواله الدرالمنثور.

ان احادیث کی سندوں اور بسم اللہ کے مذکورہ خاص فضائل میں تو کلام ہوسکتا ہے لیکن بسم اللہ کی اہمیت اور فضیلت میں کسی کو بھی کلام نہیں اور ویسے بھی محدثین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ فضائلِ اعمال میں ضعیف احادیث بھی کافی ہیں۔

ان فضائل کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ یہ فضائل تب ہی حاصل کیے جاسکتے ہیں جب کہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام کیا جائے اور گناہوں سے وہی شخص بچ سکتا ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ڈر ہو، جبکہ گناہوں کو نہ چھوڑنا اس بات کی علامت ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ڈر نہیں، اسی لیے تو گناہ کرنے میں جری اور بے باک ونڈر رہے، ایسے شخص کے عذاب میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے، فضائل اور بلند درجات کا حاصل ہونا تو بعد کی بات ہے، اس لیے کہ یہ چیزیں بخشش کے بعد حاصل ہوں گی۔

بسم اللہ لکھے ہوئے کاغذ کی توہین کرنا یا اس کو زمین پر گرا دینا کتنا بڑا گناہ ہے اور ایسے شخص کی اللہ تعالیٰ کے دربار میں کیا حیثیت ہے، اس کے بارے میں ایک روایت میں ہے کہ

اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم مَرَّعَلٰی کِتَابٍ فِی الْاَرْضِ ،فَقَالَ لِفَتًی مَعَهٗ :مَاهٰذَا؟قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ،قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ فَعَلَ هٰذَا. لاَ تَضَعُوْابِسْمِ اللّٰهِ اِلاَّفِیْ مَوْضَعِهٖ (الدرالمنثور للسیوطی جلد ۱ ،سورۃ الفاتحۃ ،بحوالہ ابوداؤد فی مراسیلہ عن عمربن عبدالعزیز واحکام القنطرۃ فی احکام البسملۃ جلد ۱ صفحہ۵ بحوالہ الدرالمنثور)

یعنی ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمین پر پڑی ایک تحریر پر گزر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ والے لڑکے سے معلوم کیا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کی کہ بسم اللہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے والے پر لعنت کرے، بسم اللہ کو سوائے اُس کی جگہ کے کہیں اور نہ رکھو“

ان روایات سے بسم اللہ لکھی ہوئی تحریر کا ادب کرنے کی اہمیت، اور بے ادبی کرنے کا وبال معلوم ہوتا ہے حتیٰ کے بسم اللہ کی بے ادبی اور توہین کرنے والے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی حفاظت فرمائیں۔

بسم اللہ سے کاموں کی ابتداء کرنے کی ایک وجہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، لیکن ساتھ ساتھ انسان کو دنیا میں لگنے اور دنیا کے کاموں کو کرنے کی بھی اجازت دی ہے، اس دنیا کی خاصیت ہے کہ جب کوئی اس دنیا میں لگتا ہے تو یہ اس

کو اپنی طرف کھینچتی ہے، اور آخرت سے غافل کرتی ہے، دنیا کی اس کشش اور غفلت سے بچنے کے لئے اسلام میں ایسے اعمال رکھے گئے ہیں جن سے ایک مؤمن دنیا کی اس کشش سے بچ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور یہ یاد رکھے کہ اس کے دنیا میں آنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا اور اپنی آخرت کو سنوارنا اور درست کرنا ہے۔

چنانچہ بسم اللہ سے اپنے کاموں کو شروع کرنا بھی اسلام کی ایسی ہی تعلیم ہے کہ جب بھی مسلمان کوئی کام شروع کرے تو بسم اللہ پڑھ لے، یہ بسم اللہ پڑھنا اسے یاد دلاتا رہے گا کہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے آیا ہے، اور وہ جو اپنا کام اللہ کا نام لے کر شروع کر رہا ہے تو اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے کاموں سے پرہیز کرنا ہے (اصلاحی مواعظ جلد۳ صفحہ ۳۶)

لہٰذا بسم اللہ کو کسی ناجائز اور گناہ کے کام سے پہلے پڑھنا جائز نہیں بلکہ گناہ ہے اور بعض اوقات ایسا کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گناہ نہ کرنے کا حکم دیا ہے اور گناہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا اللہ تعالیٰ کا حکم توڑنے کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کی صورت ہے جو ظاہر ہے کہ کفر ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ:

كُلُّ اَمْرٍ ذِىْ بَالٍ لاَ يُبْدَأُ فِيْهِ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ،اَقْطَعُ (الجامع الصغیر بحوالہ عبدالقاھر الرھاوی فی الاربعین عن ابی ھریرۃ حدیث نمبر ۶۲۸۴)

یعنی ''ہر وہ کام جسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع نہ کیا گیا ہو وہ ناقص اور ادھورا ہے''

اس حدیثِ مبارکہ میں اپنے کاموں میں برکت حاصل کرنے اور انہیں مکمل کرنے کے لئے جو طریقہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ یہ ہے کہ اپنے کاموں کو بسم اللہ سے شروع کیا جائے، جب اللہ کا نام لے کر کسی کام کو شروع کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خاص مدد انسان کو حاصل ہوتی ہے اور وہ کام آسانی سے پورا ہوتا ہے (کیونکہ بسم اللہ نازل کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ جس بھی (جائز) کام سے پہلے یہ پڑھی جائے گی میں اس میں برکت ڈال دوں گا اور حضور ﷺ نے بھی بسم اللہ کو کاموں کے پورا کرنے کا ذریعہ بتلایا ہے) اس کے برعکس اگر کسی جائز کام سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو اس کام کا ناقص اور ادھورا ہونا یقینی ہے، چاہے وہ نقص ہمیں نظر آئے یا نہ آئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کبھی وہ نقص دنیوی نہ ہو، اُخروی ہو۔

اللہ تعالیٰ بسم اللہ کی عظمت اور اہمیت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں. آمین ثم آمین

مقالات و مضامین

مفتی محمد رضوان

ماہِ شوال

شوال کا مہینہ اسلامی سال کا دسواں مہینہ ہے، شوال کا مہینہ رمضانُ المبارک کے بابرکت مہینہ کے اختتام پر شروع ہوتا ہے، شوال بھی اسلامی مہینوں کے دوسرے ناموں کی طرح عربی کا لفظ ہے، شوال کے ساتھ ''مکرم'' کا لفظ بھی لگایا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے ''شوالُ المکرّم'' مکرم کا لفظ اس مہینہ کی عظمت اور اس کے اکرام کو ظاہر کرتا ہے۔

شوال کے مہینہ کی فضیلت و عظمت کئی اعتبار سے واضح ہوتی ہے، چنانچہ سب سے پہلی فضیلت تو اس مہینہ کو یہ حاصل ہے کہ یہ مہینہ ''رمضان'' کے مبارک مہینہ کا پڑوسی شمار ہوتا ہے، اور ماہ رمضان کا پڑوسی ہونے کی وجہ سے ظاہر ہے کہ اس مہینہ میں بھی اس کا کچھ نہ کچھ اثر ظاہر ہوگا، کیونکہ صحبت و رفاقت اور قربت کا اثر ہر چیز میں کسی نہ کسی انداز سے ظاہر ہوا کرتا ہے۔

پھر شوال کے مہینہ کے پہلے دن کا آغاز ''عیدالفطر'' کے ساتھ ہوتا ہے، اور ''عیدالفطر'' دو لفظوں کا مجموعہ ہے (۱) عید (۲) الفطر، عید کی نسبت فطر کی طرف ہو رہی ہے، فطر کے معنٰی ''افطار کرنے'' کے ہیں جس سے یہاں مراد روزوں کی فرضیت کے بعد افطار یعنی روزے نہ رکھنے کی اجازت مل جانا ہے کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں جو روزے رکھنے کی پابندی تھی وہ شوال کے آغاز پر ختم ہو جاتی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ماہ رمضان میں روزوں کی فرضیت ادا کرنے کی توفیق حاصل ہوتی ہے اور دین اسلام کے اہم رکن کی ادائیگی کی سعادت حاصل ہوتی ہے، اس نعمت پر شکر اور اس کی خوشی منانے کے لئے شوال کے مہینہ کو مقرر کر کے اس مہینہ کو اس سے جوڑ دیا گیا، اور بطور شکرانے کے اس موقع پر دو رکعت خاص شان کے ساتھ مسلمانوں پر واجب فرمائی گئی ہیں۔

شوال کا ہی مہینہ ہے جس کی پہلی تاریخ کو سب مسلمان اللہ تعالیٰ کے مہمان اور اللہ تعالیٰ ان سب کے میزبان ہوتے ہیں، اسی لئے اس دن کا روزہ رکھنا حرام قرار دیا گیا ہے، اور ''صدقۂ فطر'' کے واجب ہونے کا تعلق بھی شوال کے پہلے دن کے آغاز یعنی عیدالفطر کی صبح صادق سے جوڑ دیا گیا، جبکہ صدقۂ فطر بھی رمضان اور روزوں کے بخیر و عافیت اور سلامتی کے ساتھ گزرنے اور روزوں میں چھوٹی موٹی سرزد

Idara Ghufran

ہو جانے والی کوتاہیوں کو دور کرنے کے نتیجہ میں واجب کیا گیا ہے، گویا کہ شوال کے مہینہ میں عید الفطر کا دن عید الفطر کی نماز اور صدقۂ فطر کا وجوب، یہ سب چیزیں رمضان المبارک سے خاص تعلق رکھتی ہیں، اس کے علاوہ رمضان کے مہینہ کے مکمل فرض روزے رکھنے کے بعد شوال کے مہینہ میں چھ نفلی روزے رکھنے کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ ان دونوں قسم کے مجموعی روزوں سے پورے سال روزے رکھنے کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے (جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) اور شوال کے ان چھ نفلی روزوں کو رمضان کے فرض روزوں سے ایسا ہی تعلق ہے جیسا کہ نفل اور سنت نماز کو اُس وقت کی فرض نماز سے تعلق ہوتا ہے، اس لحاظ سے بھی شوال کے مہینہ کو رمضان کے مہینہ سے خصوصی تعلق اور لگاؤ ہوا۔ اتنے سارے روابط ثابت ہو جانے کے بعد شوال کے مہینہ کو رمضان کے مہینہ کے ساتھ کیا کچھ تعلق ہے اس کا اندازہ خود ہی ہر شخص لگا سکتا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے تو شوال کے مہینہ کا اسلام کے اہم رکن ''روزے'' والے مہینہ سے تعلق کا ہونا معلوم ہوا۔ دوسری طرف شوال کے مہینہ کو اسلام کے دوسرے اہم بلکہ آخری اور تکمیلی رکن ''حج'' سے بھی تعلق ہے، کہ شوال کا مہینہ حج کے مہینوں میں سے سب سے پہلا مہینہ ہے کیونکہ حج کے مہینے ''شوال، ذیقعدہ، اور ذی الحجہ'' کو قرار دیا گیا ہے۔

اور قرآن مجید میں ان کو ''اشھر حج'' یعنی حج کے مہینے بتلایا گیا ہے (ملاحظہ ہو سورہ بقرہ، آیت ۱۹۷)

لہٰذا اس مہینہ کے ساتھ بڑی بڑی اہم عبادات اور اسلام کے اہم ارکان سے خصوصی تعلق ہونے کا تقاضا یہ ہوا کہ اس مہینہ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت میں صرف کیا جائے، اور ہر قسم کی نافرمانی اور گناہ سے اپنے آپ کو بچایا جائے۔

ماہِ شوال میں نکاح کا مسئلہ

آج کل بعض لوگ شوال کے مہینہ کو منحوس و معیوب سمجھتے ہیں اور اس مہینہ میں شادی بیاہ کی تقریب انجام دینے کو بھی برا جانتے ہیں، مگر گزشتہ تحریر سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس مہینہ کو نا مبارک یا منحوس سمجھنا دین سے دوری اور جہالت کی بات ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور ﷺ سے نکاح اور رخصتی دونوں شوال کے مہینہ میں ہوئیں، بخاری و مسلم میں اس سلسلہ کی صحیح احادیث موجود ہیں۔

تو کیا نعوذ باللہ تعالیٰ حضور ﷺ اور اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے بابرکت کسی امتی کا نکاح

Idara Ghufran

ہوسکتا ہے؟ ہرگز بھی نہیں۔ اس کا تقاضا تو یہ ہوا کہ شوال کے مہینہ میں حضور ﷺ کی اس سنت پر عمل کیا جائے اور اس کے برخلاف پیدا ہونے والے غلط عقائد ونظریات کو رد کیا جائے۔

ماہِ شوال کے چھ روزوں کے فضائل

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے رمضان کے (فرض) روزے رکھے اور اس کے بعد پھر شوال کے مہینہ میں چھ (نفل) روزے رکھ لئے تو (اس کو پورے سال کے روزے رکھنے کی فضیلت عطا کی جائے گی اور اگر کوئی ہر سال ہمیشہ یہی عمل کرتا رہے گا تو فضیلت حاصل کرنے میں ایسا ہوگا) گویا کہ اس نے ساری عمر روزے رکھے'' (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

طبرانی کی روایت میں اس فضیلت کی وجہ اس طرح بیان کی گئی ہے کہ:

''ہر دن کا روزہ (ثواب میں) دس روزوں کے برابر ہے'' (طبرانی)

فائدہ: چاند کے اعتبار سے ایک سال میں عموماً تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے نیکی کا ثواب عطا فرمانے میں یہ فضل فرمایا ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس گُنا عطا فرماتے ہیں، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

''مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا'' (سورہ انعام آیت ۱۶۰)

''مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حضور ایک نیکی لے کر حاضر ہوگا اسے دس گنا ثواب عطا کیا جائے گا''

اور رمضان کے تیس روزوں کے ساتھ شوال کے چھ روزوں کو ملا کر ۳۶ کے عدد کو دس میں ضرب دیا جائے تو تین سو ساٹھ کی تعداد نکلتی ہے، اس طرح رمضان کے پورے مہینہ کے روزوں سمیت شوال کے چھ روزے رکھ لینے سے پورے سال روزے رکھنے کا اجر حاصل ہوتا ہے، اگرچہ یہ اجر بطور فضل وانعام کے ہے، گو حقیقت میں سال بھر روزے رکھنے والے کے برابر نہیں، مگر کمزور لوگوں کے لئے یہ تفضیلی اور انعامی اجر ہی کیا کم حیثیت رکھتا ہے۔

اس بات کی مزید وضاحت اور تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا کہ:

''رمضان کے ایک مہینہ کے روزوں کا اجر دس مہینوں کے برابر ہے اور رمضان کے بعد

(شوال کے مہینہ میں) چھ روزوں کا اجر دو مہینوں کے برابر ہے، اور اس طرح یہ اجر (ملاکر) پورے سال کے برابر ہوا'' (مسند احمد، نسائی، ابن حبان)

ایک اور روایت میں اس مسئلہ کو اس طرح واضح کیا گیا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے نیکی کا اجر دس گنا مقرر فرمایا ہے (اس لحاظ سے) ایک مہینہ کا اجر دس مہینوں کے برابر اور اس کے بعد (شوال کے) چھ روزوں کا (اجر دو مہینوں کے برابر اور کُل) ملاکر پورے سال کے روزوں کے اجر کے برابر ہے'' (کنز العمال بحوالہ ابن حبان)

ایک روایت میں رمضان کے روزے رکھنے کے بعد شوال کے مہینہ میں چھ روزے رکھنے کی فضیلت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر اس کے بعد شوال کے مہینہ میں چھ روزے بھی رکھے تو یہ روزہ دار اپنے (صغیرہ) گناہوں سے اس طرح چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے، جیسا کہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے'' (ترغیب وترہیب بحوالہ طبرانی فی الاوسط، بسند ضعیف)

سبحان اللہ! رمضان کے فرض روزے تو رکھنے کی اکثر مسلمانوں کو سعادت حاصل ہو ہی جاتی ہے، اس کے بعد پورے شوال کے مہینہ میں صرف چھ روزے رکھ کر پورے سال کے روزوں کی فضیلت واجر کا نصاب اور کورس پورا کر لینا کوئی بھی مشکل کام نہیں، خصوصاً جبکہ رمضان کے فرض روزے رکھ لینے کے بعد صرف چھ روزوں کے اضافہ سے اتنی عظیم فضیلت بھی حاصل ہو رہی ہو کہ تمام صغیرہ گناہوں کی معافی کا پروانہ بھی حاصل ہو رہا ہو، ایسے وقت تو خوب شوق وذوق اور نہایت اہتمام کے ساتھ ان روزوں کو رکھنا چاہئے۔

اگرچہ اس جیسی احادیث میں نیک اعمال سے گناہوں کی معافی صغیرہ گناہوں تک محدود ہوتی ہے، مگر اولاً تو صغیرہ گناہوں کی معافی بھی بہت بڑی نعمت اور دولت ہے، دوسرے کبیرہ گناہوں کی معافی کے لئے اللہ تعالیٰ نے توبہ کا عمل مقرر فرمایا ہے، اور توبہ کسی بھی وقت انجام دی جاسکتی ہے، اگر کوئی اس کے ساتھ ہی ہر قسم کے کبیرہ گناہوں سے بھی شرعی اصولوں کے مطابق توبہ بھی کر لے تو پھر اس کے کبیرہ گناہوں کے ساتھ صغیرہ گناہوں کی معافی ہو کر جو مقام ومرتبہ حاصل ہو گا وہ بالکل ظاہر وباہر ہے اور محتاجِ بیان نہیں۔

یہاں کسی کو یہ شبہ ہو کہ اگر کسی مرتبہ رمضان کا مہینہ تیس دن کے بجائے انتیس دن کا ہوا تو پھر شوال کے چھ

روزے رکھ لینے کے بعد تعداد چھتیس کو نہیں پہنچتی بلکہ صرف پینتیس تک پہنچتی ہے پھر پورے سال کی فضیلت کس طرح حاصل ہوسکے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مہینہ کے ۲۹ یا ۳۰ دن کا ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، بندہ کا اس میں کوئی اختیار نہیں اور پھر ہر مؤمن بندہ کی نیت یہی ہوتی ہے کہ اگر رمضان کا مہینہ ۳۰ دن کا ہوا تو وہ تیس ہی روزے پورے کرے گا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے فضل کا تقاضا یہ ہوا کہ جو چیز بندہ کے اختیار میں نہیں اور بندہ کی نیت بھی اس عمل کو انجام دینے کی ہے، وہاں ثواب پورا پورا ہی عطا فرماتے ہیں اور کوئی کمی نہیں فرماتے، لہٰذا رمضان کا مہینہ ۲۹ دن کا ہونے کی صورت میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ اجر پورا پورا ہی حاصل ہوگا۔

شوال کے چھ روزوں کے بارے میں ایک علمی شبہ کا جواب

بعض حضرات کو فقہ کی کچھ ایسی عبارات سے مغالطہ لگ گیا ہے جن سے شوال کے چھ روزوں کی کراہت اور مخالفت ظاہر ہوتی ہے، حالانکہ شوال کے مذکورہ چھ روزے کتبِ حدیث وفقہ کی رو سے ثابت اور مستحب ہیں۔

اور جن عبارات سے ان روزوں کا مکروہ وممنوع ہونا ظاہر ہوتا ہے اولاً تو وہ عبارات اتنی مستند اور مضبوط نہیں دوسرے ان عبارات میں جو کراہت اور ممانعت ذکر کی گئی ہے وہ اس صورت میں ہے جبکہ ان روزوں کے ساتھ کوئی غیر شرعی چیز شامل کر لی جائے، ظاہر ہے کہ جب کسی مستحب عمل میں کوئی عقیدے کا بگاڑ یا عمل کی خرابی شامل ہوجائے تو پھر اس سے منع ہی کیا جاتا ہے، لیکن منع کرنے کی وجہ خود وہ عمل نہیں ہوتا بلکہ اس خرابی کا پایا جانا ہوتا ہے، جس کو ایک مثال سے اس طرح سمجھئے کہ نماز پڑھنا ایک عظیم عبادت ہے لیکن اگر کوئی یہ اہم عبادت سورج کے طلوع یا غروب ہونے کے وقت یا زوال کے وقت ادا کرے تو اس کو اس سے منع کیا جائے گا، لیکن منع کرنے کی وجہ خود وہ نماز نہ ہوگی بلکہ اس کو ایک غلط وقت میں ادا کرنا ہوگی، اسی طرح فقہ کی جن عبارات میں شوال کے چھ روزوں سے جو منع کیا گیا ہے ان کا مطلب اسی قسم کی کوئی خرابی شامل ہونے کی صورت میں ہے، مثلاً جبکہ شوال کے چھ روزے اس طرح رکھے جائیں کہ عید کے دن بھی روزہ رکھا جائے، اور کیونکہ عید کے دن روزہ رکھنا منع ہے، لہٰذا اس طرح کے روزے رکھنا ممنوع ہوگا، لیکن جب ان روزوں کو اس قسم کی خرابیوں سے پاک وصاف رکھا جائے تو کراہت اور ممانعت کی کوئی وجہ نہیں، اس کے باوجود بھی اگر کوئی شوال کے مذکورہ چھ روزوں سے منع کرتا ہے تو اس کو غلط فہمی یا کم علمی کے علاوہ

اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

شوال کے چھ روزوں کے مسائل

★ شوال کے مذکورہ چھ روزے جن کی فضیلت بیان کی گئی، نفلی درجہ کی حیثیت رکھتے ہیں، لہٰذا ان کو نفلی درجہ ہی دینا چاہئے، فرض یا واجب کی طرح نہیں سمجھنا چاہئے، البتہ نفلی عمل ہونے کے باوجود ان کی فضیلت پر کوئی فرق نہیں پڑتا ★ شوال کے چھ روزوں سے مذکورہ فضیلت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ رمضان کے مہینہ کی تعداد مکمل طور پر پہلے ادا کر لی جائے پھر عید کا دن گزرنے کے بعد شوال کا مہینہ ختم ہونے سے پہلے پہلے چھ روزے رکھے جائیں، لہٰذا اگر کسی نے رمضان کے پورے روزے نہ رکھے ہوں تو ان کی ادائیگی سے پہلے شوال کے مذکورہ چھ روزے رکھ کر یہ فضیلت حاصل کرنا ممکن نہیں، کیونکہ احادیث وروایات میں جو فضیلت بیان کی گئی ہے وہ رمضان کے روزے رکھ کر پھر شوال کے مہینہ میں روزے رکھنے کی صورت میں ہے ★ جو خواتین وحضرات کسی عذر کی وجہ سے رمضان کے کچھ روزے نہ رکھ سکے ہوں اور وہ مذکورہ فضیلت حاصل کرنا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے رمضان کے قضا شدہ روزے رکھیں اور رمضان کی تعداد پوری کرنے کے بعد پھر شوال کے مذکورہ چھ روزے رکھیں، اس سے امید ہے کہ انہیں مذکورہ فضیلت حاصل ہو جائے گی ★ ایک ہی روزے میں رمضان کے قضا شدہ روزے کو ادا کرنے اور شوال کے روزہ کی مذکورہ فضیلت اکھٹی حاصل نہیں کی جا سکتی، لہٰذا جس طرح پہلے رمضان کے قضا شدہ روزے رکھنا ضروری ہے اسی طرح ان روزوں کو رمضان کے روزوں سے علیٰحدہ رکھنے کی بھی ضرورت ہے ★ اگر کسی نے لاعلمی میں رمضان کے قضا شدہ روزے کی نیت بھی کی اور شوال کے روزے کی فضیلت بھی حاصل کرنے کی اسی روزے میں نیت کر لی تو اس صورت میں رمضان کا قضا شدہ روزہ ادا ہو جائے گا لیکن شوال کے چھ روزوں کی فضیلت میں اس روزہ کو شمار نہیں کیا جائے گا ★ شوال کے ان چھ روزوں کو عید کے فوراً بعد یعنی اگلے دن سے رکھنا ضروری نہیں، اور ان روزوں کو لگاتار رکھنا بھی ضروری نہیں، بلکہ خواہ عید کے اگلے دن سے رکھے یا بعد میں رکھے اور خواہ لگاتار رکھے یا درمیان میں ناغہ کر کے رکھے، بہر حال جس طرح بھی ان روزوں کی تعداد شوال کا مہینہ ختم ہونے سے پہلے پہلے ادا کر لی جائے گی مذکورہ فضیلت حاصل ہو جائے گی، کیونکہ حدیث میں شوال کے مہینہ میں ان روزوں کو رکھنے کا ذکر بغیر کسی قید اور شرط و پابندی کے مذکور ہے، لگاتار یا عید کے فوراً بعد کی کوئی شرط و قید ذکر نہیں کی گئی۔

★ عید الفطر کے دن روزہ رکھنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے ★ بعض احمق اور کم عقل و کم علم حضرات شش عید کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ ان چھ روزوں کے بعد عید منائی جاتی ہے، اس لئے انہوں نے چھ روزوں کے بعد عید منانے کی بدعت شروع کردی، یہ جہالت وحماقت پر مبنی ہے ★ شوال کے یہ روزے کیونکہ نفلی درجہ کا حکم رکھتے ہیں، اس لئے ان پر نفلی روزوں کے احکام ہی جاری ہوں گے، چنانچہ ان روزوں کے لئے رات سے نیت کرنا ضروری نہیں، اگر کسی کا دن کے شروع وقت میں روزہ رکھنے کا ارادہ نہ تھا لیکن صبح صادق کے بعد سے ابھی تک کچھ کھایا پیا نہیں پھر روزہ رکھنے کا ارادہ ہوگیا تو زوال سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے (یعنی ضحوۂ کبریٰ جو صبح صادق سے سورج غروب ہونے تک کے آدھے حصہ کا نام ہے) تک نفل روزے کی نیت کرلینا صحیح ہے اس کے بعد نیت کرنا صحیح نہیں ★ نیت زبان سے الفاظ ادا کرنے کا نام نہیں بلکہ دل کے ارادہ کا نام ہے۔لہٰذا دل میں نیت کرلینا کافی ہے زبان سے الفاظ ادا کرنا ضروری نہیں۔

★ سحری کھانا سنت ہے اگر بھوک نہ ہو تو تھوڑا بہت سنت کی نیت سے کچھ کھالینا چاہئے لیکن اگر کسی نے بالکل سحری نہ کھائی اور بغیر سحری کے روزہ رکھ لیا تب بھی روزہ ہوجائے گا ★ نفلی روزہ اگر رکھ کر پورا کرنے سے پہلے توڑ دیا جائے تو اس کی قضاء ضروری ہوجاتی ہے لیکن کفارہ وغیرہ لازم نہیں ہوتا ★ عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھنا منع ہے ★ مشہور ہے کہ جب تک فجر کی اذان کی آواز نہ آئے اس وقت تک سحری کھانا جائز رہتا ہے، یہ غلط ہے، اور اصل بات یہ ہے کہ سحری کا وقت صبح صادق ہونے پر ختم ہوجاتا ہے خواہ ابھی اذان بھی نہ ہوئی ہو۔ اور صبح صادق کا وقت مستند جنتریوں میں بھی دیکھا جاسکتا ہے (نیز ادارہ غفران کی طرف سے شائع شدہ دائمی سالانہ نقشہ اوقاتِ نماز، سحر وافطار سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے) (عید الفطر اور ماہِ شوال سے متعلق تفصیلی فضائل ومسائل کے لئے ادارہ غفران کا مطبوعہ رسالہ ''ماہِ شوال اور عید الفطر کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں)

عید کے دن مصافحہ ومعانقہ

معانقہ (گلے ملنا) اور مصافحہ (ہاتھ ملانا) نماز یا خاص عید کے دن کی سنت نہیں لہٰذا اس کو عید کی سنت یا لازم سمجھنا بدعت وناجائز ہے، احادیث اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کا ثبوت نہیں (طبرانی، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۴۳۳)

بسلسلہ: تاریخی معلومات مولوی طارق محمود

ماہِ شوال: تیسری نصف صدی کی اجمالی تاریخ کے آئینے میں

□......ماہِ شوال ۲۰۱ھ: میں حضرت ابواسامہ حماد بن اسامہ بن زید الکوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، ہشام بن عروہ، اعمش اور ابنِ ابی خالد رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، عبدالرحمٰن بن مہدی، شافعی، قتیبہ، حمیدی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، محمد بن اسماعیل بن علی العباسی نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی (سیر اعلام النبلاء ج۹ ص۲۷۸، طبقات الحفاظ ج۱ ص۱۴۰)

□......ماہِ شوال ۲۰۶ھ: میں حضرت محاضر بن المورع الھمدانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ کی کنیت ابوالمودع تھی، امام اعمش اور ہشام بن عروہ رحمہما اللہ کی شاگردی اختیار کی، عباسی خلیفہ مامون الرشید کے دورِ خلافت میں کوفہ میں وفات ہوئی (الطبقات الکبریٰ ج۶ ص۳۹۸)

□......ماہِ شوال ۲۰۷ھ: میں حضرت ابو یحییٰ محمد بن عبداللہ بن کنانہ الکوفی النحوی الاخباری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ نے امام اعمش اور ھشام بن عروہ رحمہما اللہ سے حدیث کی سماعت کی (العبر فی خبر من غبر ج۱ ص۳۵۳، شذرات الذھب ج۱ ص۱۷، سیر اعلام النبلاء ج۹ ص۵۰۹)

□......ماہِ شوال ۲۰۸ھ: میں حضرت ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف الزھری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ بغداد میں رہتے تھے، اپنے والد اور امام شعبہ رحمہ اللہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں، امام احمد، یحییٰ، علی اور ابوخیثمہ رحمہم اللہ آپ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں (المنتظم ج۱۰ ص۱۹۷، الطبقات الکبریٰ ج۷ ص۳۴۳، سیر اعلام النبلاء ج۹ ص۴۹۲، طبقات الحفاظ ج۱ ص۱۴۶)

□......ماہِ شوال ۲۰۸ھ: میں حضرت ابومحمد سعد بن عامر الضبعی البصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ علم وعمل کے پہاڑ شمار ہوتے تھے، امام یونس بن عبید اور سعد بن ابی عروبۃ رحمہما اللہ سے روایت کرتے ہیں (العبر فی خبر من غبر ج۱ ص۳۵۴، شذرات الذھب ج۱ ص۲۰، سیر اعلام النبلاء ج۹ ص۳۸۶، طبقات الحفاظ ج۱ ص۱۵۳)

□......ماہِ شوال ۲۰۸ھ: میں حضرت سعید بن عامر العجیفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ کی کنیت ابومحمد تھی، بصرہ میں وفات ہوئی (الطبقات الکبریٰ ج۷ ص۲۹۶)

□......ماہِ شوال ۲۰۹ھ: میں حضرت محمد بن عبدالاعلیٰ بن کناسۃ الاسدی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، اعمش،

اورہشام بن عروہ رحمہما اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، مامون کے دورِخلافت میں کوفہ میں وفات ہوئی (الطبقات الکبریٰ ج۶ص۴۰۱)

□......**ماہِ شوال ۲۰۹ھ**: میں حضرت یعلیٰ بن عبید بن ابی امیۃ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، یحیٰ بن سعید الانصاری، اسماعیل بن ابی خالد، اعمش اور عبدالملک بن ابی سلیمان رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، اسحاق بن راھویہ، محمد بن عبداللہ بن نمیر محمود بن غیلان اور ھارون الحمال رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، کوفہ میں وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۹ص۴۷۷)

□......**ماہِ شوال ۲۱۰ھ**: میں حضرت ابوبکر عبدالرزاق بن ھمام الصنعانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، مصنف عبدالرزاق حدیث میں آپ کا مشہور مجموعہ ہے، معمر، ابنِ جریج رحمہما اللہ سے روایت کرتے ہیں، ۸۰ سال سے زیادہ عمر پائی ''سیر اعلام النبلاء ج۹ص۵۸۰ اور شذرات الذھب ج۱ص۲۷ میں سنِ وفات ۲۱۱ھ درج ہے'' (العبر فی خبر من غبر ج۱ص۳۶۰، الطبقات الکبریٰ ج۵ص۵۴۸)

□......**ماہِ شوال ۲۱۲ھ**: میں ابوبکر عباد بن صہیب الکلیبی کی بصرہ میں وفات ہوئی، بصرہ کے گورنر طاہر بن سلیمان الھاشمی نے نمازِ جنازہ پڑھائی (الطبقات الکبریٰ ج۷ص۲۹۷)

□......**ماہِ شوال ۲۱۳ھ**: میں حضرت عبداللہ بن داؤد الخریبی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، ۱۲۶ھ میں ولادت ہوئی، اعمش اور بکار رحمہما اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، اپنے زمانہ کے بڑے عبادت گذاروں میں آپ کا شمار ہوتا تھا، کوفہ میں وفات ہوئی (العبر فی خبر من غبر ج۱ص۳۶۴، شذرات الذھب ج۱ص۲۹، سیر اعلام النبلاء ج۹ص۳۵۲)

□......**ماہِ شوال ۲۱۳ھ**: میں حضرت عبداللہ بن داؤد الھمدانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ کوفہ سے منتقل ہوکر بصرہ کے نواح میں ''خریبہ'' نامی مقام میں منتقل ہوگئے تھے، امام اعمش رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں (المنتظم ج۱۰ص۲۵۶، الطبقات الکبریٰ ج۷ص۲۹۵)

□......**ماہِ شوال ۲۱۳ھ**: میں حضرت اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، مامون کے دورِخلافت میں کوفہ میں وفات ہوئی (الطبقات الکبریٰ ج۶ص۴۰۰)

□......**ماہِ شوال ۲۱۳ھ**: میں حضرت محمد بن عرعرۃ بن البرند شامی البصری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، امام شعبہ اور بڑے بڑے حضرات آپ کے اساتذہ ہیں، ۶۷ سال کی عمر پائی (العبر فی خبر من غبر ج۱ص۳۶۵، الطبقات الکبریٰ ج۷ص۳۰۵)

☐......**ماہِ شوال ۲۱۵ھ**: میں دمشق کے مفتی حضرت ابوعبداللہ محمد بن المبارک بن یعلیٰ القرشی الصوری القلانسی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، سعید بن عبدالعزیز، مالک بن انس، معاویہ بن سلام اور صدقہ بن خالد رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، یحییٰ بن معین، محمد بن یحییٰ الذھلی، ابومحمد الدارمی اور محمد بن عون رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں، ابومسہر رحمہ اللہ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی (سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ص ۳۹۱، طبقات الحفاظ ج ۱ص ۱۶۹)

☐......**ماہِ شوال ۲۱۶ھ**: میں حضرت ابوالاشہب ھوذۃ بن خلیفہ بن عبداللہ بن ابی بکرۃ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ کی ولادت ۱۲۵ھ میں ہوئی، یونس، ہشام، عوف، ابنِ عون، ابنِ جریج اور سلیمان التیمی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، مامون کے دورِ حکومت میں بغداد میں وفات ہوئی، آپ کے بیٹے نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی، ۹۲ سال کی عمر پائی (الطبقات الکبریٰ ج ۷ص ۳۳۹، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ص ۱۲۳)

☐......**ماہِ شوال ۲۱۷ھ**: میں حضرت ابومحمد حجاج بن المنہال الانماطی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ بہت کثرت سے احادیث روایت کرتے ہیں، قرۃ بن خالد، شعبہ اور ہمام بن یحییٰ رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں، امام بخاری، اسحاق الکوسج اور ابومحمد الدارمی رحمہم اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں، بصرہ میں وفات ہوئی (الطبقات الکبریٰ ج ۷ص ۳۰۱، طبقات الحفاظ ج ۱ص ۱۷۵، سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ص ۳۵۴)

☐......**ماہِ شوال ۲۱۷ھ**: میں حضرت ابوسلیمان داؤد بن مہران الدباغ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ نے حدیث کی سماعت عبدالعزیز بن ابی رواد اور سفیان بن عبداللہ رحمہما اللہ سے کی، عباس الدوری رحمہ اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں (المنتظم ج ۱۱ص ۶)

☐......**ماہِ شوال ۲۲۴ھ**: میں فرغانہ شہر میں شدید زلزلہ آیا، جس میں تقریباً پندرہ ہزار افراد ھلاک ہوئے (المنتظم ج ۱۱ص ۸۹)

☐......**ماہِ شوال ۲۲۵ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ اصبغ بن الفرج بن سعید رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ مصر کے مفتی تھے، عبدالعزیز الدراوردی، اسامہ بن زید بن اسلم اور عیسیٰ بن یونس السبیعی رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ میں سرِ فہرست ہیں، امام بخاری، احمد بن الحسن، ترمذی، یحییٰ بن معین اور احمد الفرات رحمہم اللہ آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ص ۶۵۷، طبقات الحفاظ ج ۱ص ۲۰۳)

☐......**ماہِ شوال ۲۲۵ھ**: میں حضرت ابوعثمان عبید بن غاضرہ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ مصر میں رہتے تھے اور مصر ہی میں علمِ حدیث کا فیضان آپ سے جاری ہوا (المنتظم ج ۱۱ص ۸۹)

❑...... ماہِ شوال ۲۲۸ھ: میں حضرت ابومحمد نعیم بن الھیصم الھروی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ بغداد میں رہتے تھے، اور جریج بن فضالۃ اور ابوعوانہ رحمہما اللہ سے روایت کرتے ہیں، امام بغوی رحمہ اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں (المنتظم ج۱۱ص۱۴۳، الطبقات الکبریٰ ج۷ص۳۵۱)

❑...... ماہِ شوال ۲۲۸ھ: میں حضرت ابوخالد یزید بن مہران الخباز رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ سے حدیث کی روایت کی، کوفہ میں وفات ہوئی (الطبقات الکبریٰ ج۶ص۴۱۶)

❑...... ماہِ شوال ۲۳۲ھ: میں حضرت ابوصالح حکم بن موسیٰ القنطری البغدادی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ بہت عبادت گذار تھے، اسماعیل بن عیاش اور عبداللہ بن المبارک رحمہما اللہ کے طبقہ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے امام مالک بن انس رحمہ اللہ کی زیارت بھی کی ہے، امام احمد بن حنبل اور علی بن المدینی رحمہما اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں (العبر فی خبر من غبر ج۱ص۴۱۱، المنتظم ج۱۱ص۱۸۳، شذرات الذھب ج۱ص۷۵، الطبقات الکبریٰ ج۷ص۳۴۶، سیر اعلام النبلاء ج۱۱ص۶)

❑...... ماہِ شوال ۲۳۶ھ: میں حضرت ابو الصلت عبدالسلام بن صالح بن سلیمان بن ایوب رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ نے طلبِ علم کے لئے کوفہ، بصرہ، حجاز اور یمن کی طرف سفر کیا، حماد بن زید، مالک بن انس، معاویۃ اور سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، بغداد میں رہتے تھے، عباس الدوری رحمہ اللہ آپ کے شاگرد ہیں (المنتظم ج۱۱ص۲۴۳)

❑...... ماہِ شوال ۲۳۶ھ: میں حضرت مصعب بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ امام مالک، الدراوردی اور ابراہیم بن سعد رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، یحییٰ بن معین، ابوخیثمہ، ابراہیم الحربی اور بغوی رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، ۸۰ سال کی عمر میں بغداد میں وفات ہوئی (المنتظم ج۱۱ص۲۴۶، الطبقات الکبریٰ ج۷ص۳۴۴، سیر اعلام النبلاء ج۱۱ص۳۲)

❑...... ماہِ شوال ۲۳۸ھ: میں حضرت ابوالفضل ربیع بن ثعلب المروزی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ کی ولادت ماوراء النہر (وسطی ایشیا) کے مشہور شہر ''مرو'' میں ہوئی، اس کے بعد آپ بغداد منتقل ہوگئے، اور بغداد میں فرج بن فضالہ رحمہ اللہ سے روایت کی، امام بغوی رحمہ اللہ نے آپ سے روایت کی، بغداد میں وفات ہوئی (المنتظم ج۱۱ص۲۶۲)

❑...... ماہِ شوال ۲۴۰ھ: میں حضرت ابومحمد سوید بن سعید بن سہل بن شہریار الھروی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، آپ

Iqra Ghufran

بغداد میں رہتے تھے، امام مالک، شریک، ابراہیم اور سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ سے حدیث کی روایت کی، الباغندی اور امام بغوی رحمہما اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، سوسال کے قریب عمر پائی (المنتظم ج۱۱ص۲۷۹)

□...... **ماہِ شوال ۲۴۲ھ:** میں حضرت ابوعبداللہ محمد بن رمح التجیبی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، حدیث کی سماعت لیث، اور ابنِ لہیعۃ رحمہما اللہ سے کی، امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ نے کبھی کسی حدیث میں خطا نہیں کی (العبر فی خبر من غبر ج اص ۴۳۸، المنتظم ج۱۱ص۳۰۴، شذرات الذھب ج اص ۱۰۱، سیر اعلام النبلاء ج۱۱ص۴۹۹)

□...... **ماہِ شوال ۲۴۳ھ:** میں حضرت ابوحفص حرملۃ بن یحییٰ بن عبداللہ بن حرملۃ بن عمران رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ کی ولادت ۱۶۶ھ میں ہوئی "شذرات الذھب ج اص۱۰۴ میں سنِ وفات ۲۴۴ھ لکھا ہوا ہے" (المنتظم ج۱۱ص۳۰۸، سیر اعلام النبلاء ج۱۱ص۳۹۰، طبقات الحفاظ ج اص۲۱۴)

□...... **ماہِ شوال ۲۴۳ھ:** میں حضرت ابوموسیٰ ھارون بن عبداللہ بن مروان البزاز رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ الحمال کے نام سے مشہور تھے، سفیان بن عیینہ، سیار بن حاتم اور روح بن عبادہ رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ میں سرِ فہرست ہیں، مسلم بن الحجاج، ابراہیم الحربی، البغوی اور ابنِ صاعد رحمہم اللہ آپ کے شاگردوں میں سرِ فہرست ہیں "وقیل توفی ثمان واربعین ولایصح" (المنتظم ج۱۱ص۳۱۰، سیر اعلام النبلاء ج۱۲ص۱۱۶)

□...... **ماہِ شوال ۲۴۳ھ:** میں حضرت ابوزکریا یحییٰ بن جعفر بن اعین البخاری البیکندی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، سفیان بن عیینہ، وکیع، یزید بن ھارون اور عبدالرزاق رحمہم اللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، امام بخاری، محمد بن ابی حاتم اور عبیداللہ بن واصل رحمہم اللہ آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں (سیر اعلام النبلاء ج۱۲ص۱۰۱)

□...... **ماہِ شوال ۲۴۴ھ:** میں حضرت ابوعلی الحسن بن شجاع البلخی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ نے طلبِ علم کے لئے شام، مصر، عراق کے سفر کئے، اسحاق بن راھویہ، ابونعیم بن دکین اور یحییٰ بن یحییٰ التمیمی رحمہم اللہ سے حدیث کی سماعت کی، امام بخاری، ابوزرعۃ الرازی اور محمد بن اسحاق السراج رحمہم اللہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی، ۴۹ سال کی عمر میں وفات ہوئی (طبقات الحفاظ ج اص۲۴۲)

□...... **ماہِ شوال ۲۴۴ھ:** میں حضرت ابوجعفر احمد بن منیع البغوی الاصم رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، ھشیم رحمہ اللہ اور ان کے طبقہ سے روایت کرتے ہیں، آپ ابوالقاسم البغوی رحمہ اللہ کے نانا تھے، ۱۶۰ھ میں ولادت ہوئی (العبر فی خبر من غبر ج اص۴۴۲، شذرات الذھب ج اص۱۰۵، سیر اعلام النبلاء ج۱۱ص۴۸۴، طبقات الحفاظ ج اص۲۱۲، المنتظم ج۱۱ص۳۲۴)

□...... **ماہِ شوال ۲۴۵ھ**: میں حضرت اسحاق بن ابی اسرائیل ابراہیم بن کامجر المروزی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ کی عمر ۹۵ سال تھی، حماد بن زید رحمہ اللہ سے روایتِ حدیث کی، آپ کا شمار عظیم محدثین میں ہوتا تھا، بغداد میں وفات ہوئی (العبر فی خبر من غبر ج ۱ص ۴۴۴، شذرات الذہب ج ۱ص ۱۰۷)

□...... **ماہِ شوال ۲۴۵ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ سوار بن عبداللہ بن سوار بن عبداللہ بن قدامہ العنبری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ بغداد میں رہتے تھے، اور ۲۳۷ھ میں آپ کو رصافہ کے قاضی کا عہدہ دیا گیا، اپنے والد اور ابنِ مہدی بن سعید رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، آپ سے عبداللہ بن احمد اور ابنِ صاعد رحمہما اللہ روایت کرتے ہیں (المنتظم ج ۱۱ص ۳۳۳، سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ص ۵۴۵)

□...... **ماہِ شوال ۲۴۶ھ**: میں حضرت ابوعمرو حفص بن عمر بن عبدالعزیز بن صہیب الازدی الکوفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، اسماعیل بن جعفر، ابوغیلہ، یحییٰ بن واضح اور عفان رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں، ابوبکر رحمہ اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں "بعض حضرات کے نزدیک وفات ۲۴۸ھ میں ہوئی" (المنتظم ج ۱۱ص ۳۴۲، سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ۵۴۳)

□...... **ماہِ شوال ۲۴۷ھ**: میں عباسی خلیفہ المتوکل باللہ کو قتل کیا گیا، اس کا پورا نام ابوالفضل جعفر بن المعتصم باللہ محمد بن الرشید ھارون العباسی تھا، متوکل نے پہلے اپنے بیٹے المنتصر باللہ کو ولی عہد بنایا تھا، لیکن بعد میں مختلف وجوہات کی بنیاد پر اس کا اپنے بیٹے سے اختلاف ہوگیا، المنتصر باللہ نے ترک امراء کے ساتھ مل کر اس کو رات کے وقت قتل کردیا (العبر فی خبر من غبر ج ۱ص ۴۴۹، شذرات الذہب ج ۱ص ۱۱۴، تاریخِ اسلام اخیرین ص ۲۳۲، از شاہ معین الدین ندوی صاحب)

□...... **ماہِ شوال ۲۴۷ھ**: میں المنتصر باللہ کے خلافت کے لئے بیعت کی گئی اور اس کو خلیفہ بنایا گیا، متوکل کے قتل کے بعد ترکوں نے منتصر باللہ کو خلیفہ بنایا، خلافت کے وقت اس کی عمر ۲۵ سال تھی، منتصر کی خلافت کے بعد نظامِ خلافت سارے کا سارا ترکوں کے ہاتھ میں آ گیا، اور خلفاء کی قوت اور ان کا اقتدار بالکل ختم ہوگیا، اس کی خلافت کا زمانہ بہت مختصر ہے، ربیع الثانی ۲۴۸ھ میں اس کی وفات ہوئی (المنتظم ج ۱۱ص ۳۵۳، تاریخِ اسلام اخیرین ص ۲۳۸، از شاہ معین الدین ندوی صاحب)

□...... **ماہِ شوال ۲۴۹ھ**: میں حضرت ابواسحاق ابراہیم بن عیسیٰ الاصفہانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی،

﴿بقیہ صفحہ ۴۴ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

مقالات ومضامین ترتیب:مفتی محمد رضوان

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب مدظلہم (قسط۷)

مروّجہ مجالسِ ذکر کے بارے میں آپ کا موقف

ایک زمانے میں حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب دامت برکاتہم اسلام آباد میں اپنی رہائش گاہ کے قریب مسجد کوہسار میں نماز وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعدایک حصہ میں شرعی مسجد کی حدود سے باہرایک طرف بنے ہوئے چھوٹے حجرے میں (جوحضرت والانے اپنے احباب کے ساتھ بیٹھنے اور وعظ ونصیحت کرنے نیز مطالعہ وغیرہ کے لئے مخصوص کیا ہواہے اوراس کودارُالمطالعہ کا نام دیا گیاہے)اس میں بیٹھ کرحسبِ ذوق مجلس میں موجودمخصوص حضرات کوحضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے مواعظ وملفوظات کی روشنی میں وعظ ونصیحت فرماتے اوربعض اوقات حضرت والاخفیف جہرسے ذکرمیں مشغول ہوجاتے اورسامعین بھی بطورِخودذکرمیں مشغول ہوجاتے ،لیکن یہ کوئی باقاعدہ مجلسِ ذکرنہ تھی ،نہ اس کے لئے تداعی اورشہرت کااہتمام تھااورنہ ہی مجلسِ ذکرکاکوئی عنوان،مگرلوگوں کے احوال اورمجالسِ ذکرمیں رائج منکرات کاعلم ہوجانے کے بعداوراس طرح کے ذکرکومروّجہ مجالسِ ذکرسے مشابہت ہونے کی وجہ سے آپ نے اس طرح ذکرکوترک فرمادیاجوآپ کی لِلّٰہیت اورکسرِشان کی علامت ہے،اوراس سلسلہ میں یہ بھی فرمایاکہ مجھے خودبھی اس طرح ذکرپرکچھ شرحِ صدراس لئے نہ تھاکہ تھانہ بھون اورجلال آبادوغیرہ کی خانقاہوں میں اس طرح کے ذکرکاکبھی مشاہدہ نہ کیاتھا،میں نے حضرت مولاناشاہ ابرارُالحق صاحب رحمہ اللہ سے مجالسِ ذکرکے جوازوعدمِ جواز کے بارے میں سوال کیاتھا،جس کے جواب میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایاکہ اس سلسلہ میں دارالعلوم دیوبندسے تحقیق کرکے حتمی جواب دیاجاسکے گا،چنددنوں بعدحضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایاکہ دیوبندسے اس مسئلہ کی تحقیق کرلی گئی ہے،مروّجہ مجالسِ ذکرمیں آج کل جوقیودات وتخصیصات جمع ہیں اُن کی رُوسے ان کاقیام بدعت ہے۔

حضرت نواب صاحب دامت برکاتہم نے ایک مرتبہ یہ بھی ارشادفرمایاکہ ایک مدت تک حضرت مولانافقیر محمدصاحب پشاوری رحمہ اللہ کے یہاں پشاورخانقاہ میں بھی تداعی اورخاص مجلسِ ذکرکے عنوان کے بغیراس

طرح ذکر جاری رہا ہے کہ حضرت والا ذکر میں مشغول ہوتے اور حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہونے والے بھی حضرت کے ساتھ ذکر میں مشغول ہوجاتے تھے جس سے بظاہر اور صورتاً اجتماع کی صورت بن جاتی تھی، لیکن حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمہ اللہ کو جب اس طرح ذکر کے متعلق اطمینان نہ رہا تو آخر عمر میں اس کو ترک فرما دیا تھا۔

حضرت مولانا فقیر محمد صاحب پشاوری رحمہ اللہ کے ذکر کا کوئی مخصوص وقت مقرر نہ تھا، آپ تقریباً ہر وقت ذکر میں مصروف رہتے تھے، اور بیان وغیرہ کا بھی کوئی خاص معمول نہ تھا، آپ کی خانقاہ میں آنے والے آپ کے ساتھ ذکر شروع فرما دیتے تھے گویا کہ اصل مقصود تو شیخ کی صحبت و مجالست تھا اور جب شیخ کو ذکر میں مصروف پاتے تو خود بھی فارغ بیٹھنے کے بجائے ذکر میں مصروف ہوجاتے تھے۔

اجتماعی مجلسِ ذکر کے بارے میں آپ کی خودنوشتہ تحریر

حضرت نواب عشرت علی خان قیصر صاحب دامت برکاتہم نے الحمدللہ تعالیٰ مندرجہ بالا مضمون خود ملاحظہ فرمایا ہے اور اس مضمون میں خود اپنے دستِ مبارک سے درجِ ذیل تحریر کا بھی اضافہ فرمایا ہے:

''حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی حلقہ بنا کر ذکرِ لسانی جہر کے ساتھ نہیں کیا، وہ خاموش ذکر کرتے تھے، اسلام آباد میں بعض احباب کو شفیقُ الامت حضرت مولانا حاجی محمد فاروق صاحب سکھروی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک واقعہ سے بھی غلط فہمی پیدا ہوئی وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ جب حضرت مولانا حاجی محمد فاروق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسلام آباد تشریف لائے ہوئے تھے تو جناب شبیر احمد کاکاخیل صاحب (معروف ماہرِ فلکیات) نے ذکر دوازدہ تسبیح کی تعلیم کے لئے حضرت مولانا حاجی محمد فاروق صاحب سے درخواست کی کہ وہ اُن کے مکان پر تشریف لا کر خدام کو ذکر کا طریقہ سکھلا دیں۔

چنانچہ حضرت شفیقُ الامت رحمہ اللہ ایک شب موصوف کے مکان پر تشریف لے گئے، بندہ بھی ساتھ تھا، چند خدام بھی شریک ہوگئے تھے، حضرت مولانا حاجی محمد فاروق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر سے فراغت کے بعد فرمایا کہ اس وقت تعلیم کے لئے ذکر کی مجلس ہوگئی ہے لیکن اس کو معمول نہ بنایا جائے (کیونکہ اس طرح کی تعلیم کو معمول نہیں بنایا جاتا) بہر حال بندہ اجتماعی مجلسِ ذکر سے برأت کرتا ہے، حضرت حکیم الامت مجدد ملت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

اوراُن کے خلفاء سے بھی اجتماعی مجلسِ ذکرثابت نہیں ہے ،میراموقف بھی یہی ہے، جوحضرات اجتماعی مجلسِ ذکر کے جواز کی بندہ کی طرف نسبت کرتے ہیں وہ غلط فہمی کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں،اس تحریر کے ذریعہ سے بندہ اپنے موقف سے احباب کوآ گاہ کرتا ہے اوراُمّید رکھتا ہے کہ میری زندگی میں یا میرے بعد میری طرف مروّجہ اجتماعی مجلسِ ذکر کے جواز کی نسبت کرنے سے پرہیز کیا جائے گا، جہاں تک بعض اوقات بندہ کے اس طرح ذکر کرنے کا معاملہ ہے جس میں دوسرے بعض احباب بھی شریک رہے ہیں،اس کی وضاحت جوآپ (بندہ محمد رضوان) نے کی ہے، وہ درست ہےاور بندہ اس سے متفق ہے۔آپ (بندہ محمد رضوان) ماہنامہ ''التبلیغ''، میں اس مضمون کوشائع کر دیں''

دعا گو

احقر محمد عشرت علی خان قیصر عفی عنہ

۲۲ رشعبان ۱۴۲۷ھ کراچی

دعاء کا ذوق وشوق

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور بزرگانِ دین کی صحبت کی برکات سے حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب دامت برکاتہم کو دعا میں مشغولی بلکہ انہاک کے ذوق وشوق کی جونعمت عطافرمائی ہے، وہ خال خال ہی نظرآتی ہے۔

مختلف اوقات کے علاوہ وعظ کے بعد اورکسی دوسرے کی طرف سے دعا کی درخواست کرنے پرحضرت والا جس انداز سے عاجزی،مسکنت کے ساتھ اورگڑگڑا کر دعائیں فرماتے ہیں اوراس کے ساتھ حضرت کے چہرہ اورسامنے پھیلائے ہوئے ہاتھوں کواس طرح حرکت ہوتی ہے جس طرح ایک مضطِرب اور مخمصہ میں پھنسا ہوا انسان امید اورخوف کی دولت سے مالا مال سوالی بن کرکسی سخی کے درِدولت پرصدائیں دیتا ہے۔اس حالت کے دیکھنے والے کواللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہونے اور دعا کے شرفِ قبولیت حاصل کر لینے کا یقین ہونے لگتا ہے۔حضرت والا اپنے جملہ متعلقین کوجس انداز سے وقتاً فوقتاً دعائیں دیتے رہتے ہیں یہ حضرت والا کے متوسلین اور متعلقین کے حق میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

اللہ تعالیٰ اس نعمت کی قدردانی کی توفیق عطافرمائیں۔(جاری ہے......)

اصلاحی بیان

مفتی محمد رضوان

رمضان کی رحمتیں اور برکتیں

مؤرخہ ۷/رمضان ۱۴۲۷ھ بروز اتوار، دن ساڑھے گیارہ بجے، حضرت مدیر صاحب مدظلہم نے جناب مظہر قریشی صاحب مرحوم کے مکان پر محلہ کرتار پورہ راولپنڈی میں خواتین کے بڑے مجمع سے خطاب کیا، اس خطاب کا خلاصہ برائے افادۂ عام پیشِ خدمت ہے۔ (ادارہ......)

بعد خطبۂ مسنونہ

معزز خواتین: اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں ایک مرتبہ پھر رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ عطا فرمایا ہے، جس پر ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی میں بار بار یہ مبارک مہینہ عطا فرمائیں اور ہمیں اس بابرکت مہینہ کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

رمضان کا مہینہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے عام اور تام ہونے کا مہینہ

رمضان المبارک دراصل اللہ تعالیٰ کی رحمتِ عامہ اور رحمتِ تامہ کا مہینہ ہے، اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت عام بھی ہوتی ہے اور تام بھی ہوتی ہے، اور اسی طرح اس مہینہ کی فضیلت عام بھی ہے اور تام بھی ہے

عام ہونے کا مطلب ہے کہ ’’اللہ تعالیٰ کی رحمت اس مہینہ میں سب کو شامل ہوتی ہے‘‘

اور تام ہونے کا مطلب ہے کہ ’’اللہ تعالیٰ کی رحمت اس مہینہ میں مکمل اور کامل ہوتی ہے‘‘

اللہ تعالیٰ کی رحمت اس مہینہ میں بندوں پر عام بھی ہوتی ہے اور تام بھی ہوتی ہے۔

اور اسی طرح اس مہینہ کی فضیلت ثواب کے اعتبار سے عام بھی ہے اور تام بھی ہے۔

اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کس طرح عام اور تام ہوتی ہے؟

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بابرکت مہینہ میں سرکش شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے، اور جنت کے تمام دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ بھی بند نہیں رکھا جاتا اور دوزخ کے تمام دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی دروازہ بھی کھلا نہیں چھوڑا جاتا۔

Idara Ghufran

یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے عام اورتام ہونے کی علامت ونشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت کے سارے دروازوں کوکھول کراوردوزخ کے تمام دروازوں کو بندفرما کراس مہینہ میں اپنی رحمت کے عام اورتام ہونے کامظاہرہ فرماتے ہیں۔

اسی طرح رمضان المبارک کے پورے مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عالمِ برزخ وقبرکاعذاب موقوف کردیاجاتاہے، یہاں تک کہ گناہگاراورفاسق وفاجرمسلمان کواورکافرومشرک کوبھی رمضان کے مہینہ میں قبروبرزخ کاعذاب نہیں ہوتا، گویاکہ عالمِ برزخ کاعذاب اس مہینہ میں اٹھالیاجاتاہے۔

تویہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اس مہینہ میں عام اورتام ہونے کی نشانی ہے۔

اسی طرح اگرکوئی مسلمان رمضان کے مہینہ میں فوت ہوجائے توقیامت قائم ہونے تک اس سے مؤاخذہ نہیں ہوتا، اوراس سے حساب وکتاب قیامت سے پہلے نہیں ہوتا، بشرطیکہ ایمان کی حالت میں فوت ہواہو، اوربعض علماء نے یہ بھی فرمایاکہ وہ گناہِ کبیرہ سے تائب ہوکرفوت ہواہو، اورکیونکہ مؤمن بندہ کی شان یہ ہے کہ وہ رمضان کے مہینہ میں توکبیرہ گناہوں سے بچ ہی جایاکرتاہے اورتوبہ واستغفارکابھی اہتمام کرتاہے، اس لئے امید ہے کہ ایک مؤمن بندہ جب رمضان کے مہینہ میں اس شان کے ساتھ فوت ہوگاتومذکورہ علماء کے نزدیک بھی اس سے قبروبرزخ کاعذاب اٹھالیاجائے گا۔

اوربے شک اگرچہ اصل حساب وکتاب اورجزاوسزاکے فیصلہ کادن قیامت کاہے اورایسے شخص سے قیامت کے دن حساب وکتاب ہوگااوراچھے وبرے اعمال کافیصلہ ہوگااورباقاعدہ سزاوجزامقدرہوگی۔

لیکن برزخ اورقبربھی توآخرت کے اثرات وثمرات کاایک نمونہ ظاہرہونے کی جگہ اورزمانہ ہے اوربرزخ ایک مستقل عالَم ہے، لہٰذاعالَمِ برزخ کی تکلیفوں اورکلفتوں سے مامون ومحفوظ ہوجانابھی بہت بڑی غنیمت اورنعمتِ خداوندی ہے۔ اوراگرکوئی کفرکی حالت میں اس مبارک مہینہ میں فوت ہوجائے تورمضان کامہینہ ختم ہونے سے پہلے اس سے حساب وکتاب اورقبروبرزخ میں مؤاخذہ نہیں ہوتااورجب رمضان کامہینہ ختم ہوجاتاہےاس کے بعدہی اس سے بازپُرس اورمؤاخذہ کاسلسلہ شروع ہوتاہے۔

تویہ سب اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے وسیع اورعام ہونے کےنمونے ہیں کہ اس مہینہ کی برکات سے پوراعالَمِ برزخ مستفید ہوتاہے۔ اورکافرومشرک، مؤمن، متقی اورفاسق وفاجربھی محروم نہیں رہتا۔

اوریہ جوفرمایاکہ مسلمان اگرایمان کی حالت میں فوت ہوتواس سے برزخ کاحساب وکتاب اورعذاب ختم

کر دیا جاتا ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایمان بڑی نعمت اور دولت ہے، اس کے بغیر یہ سعادت میسر نہیں آتی آج کل ایمان کو ضائع کرنے والی حرکات اور اقوال وافعال کی بھی کمی نہیں، لوگ زبان سے کفریہ کلمات ادا کر دیتے ہیں اور نعوذ باللہ ایمان سے باہر ہو جاتے ہیں یا ایسے عقیدے اور نظریے اختیار کرتے ہیں جو ایمان لیوا ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ موسیقی اور گانے بجانے کو نعوذ باللہ عبادت اور ثواب کا کام سمجھتے ہیں اور ثواب سمجھ کر ساری زندگی اس میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس قسم کی حرکتیں کرنے سے ایمان سلامت نہیں رہتا اور ایسی حرکات میں مبتلا کوئی شخص رمضان میں فوت ہو جائے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس سے قیامت تک حساب وکتاب اٹھالیا گیا ہے۔ [1]

قبر وبرزخ کے اچھے اور بُرے احوال برحق ہیں

آج کل بعض لوگ قبر وبرزخ میں اچھے اور برے حالات پیش آنے کا انکار کرتے ہیں، اُن کے نزدیک تو جو فضیلت ابھی رمضان میں فوت ہونے کی بیان کی گئی وہ فضول ہے، مگر یاد رکھئے کہ جو لوگ قبر اور برزخ کے اچھے اور برے احوال اور عذاب کا انکار کرتے ہیں وہ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں کیونکہ ان کا یہ انکار کرنا قرآن اور بہت سی احادیث سے ثابت شدہ مضمون کے خلاف ہے اور اہلِ سنت والجماعت کے متفقہ فیصلہ کے بھی خلاف ہے۔

اسلام کا صحیح عقیدہ ونظریہ اس بارے میں یہی ہے کہ مرنے کے بعد سے لے کر قیامت قائم ہونے تک مُردہ کو اچھے اور بُرے احوال پیش آتے ہیں، اور جنت ودوزخ کے کچھ نمونے اس پر ظاہر کیے جاتے ہیں اور جنت ودوزخ کی کوئی نہ کوئی جھلک اس کو پیش کی جاتی ہے، اگرچہ باضابطہ اچھے اور بُرے کا فیصلہ قیامت کے دن ہی ہوگا اور اچھے وبُرے اعمال کا اصل بدلہ قیامت کے بعد ہی جنت ودوزخ وغیرہ کی شکل میں دیا جائے گا اور دنیا میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں، مثلاً اگر کسی پر جُرم کا الزام ہوتا ہے تو اس پر باضابطہ

---

[1] گذشتہ دنوں کچھ صاحبان کی زبانی معلوم ہوا کہ لاہور کے کسی قبرستان میں چند قبروں کو حرکت ہوتی ہوئی دکھائی دی، بے شمار لوگوں نے وہاں جا کر اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے، جبکہ ہم آج تک یہ سنتے آئے ہیں کہ رمضان میں عذابِ قبر نہیں ہوتا۔

لیکن یاد رکھئے کہ قبر وبرزخ کے اصل حالات ہماری نظروں سے پردے میں ہیں اس قسم کے واقعات سے عذابِ قبر کی دلیل پکڑنا یا اپنی طرف سے تخمینے اور اندازے قائم کرنا درست نہیں، ہمیں اس قسم کے واقعات کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہئے اور جو کچھ شریعت نے ہمیں بتلایا اس پر یقین رکھنا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ سے رحمت ومغفرت کا طلبگار ہونا چاہئے۔ محمد رضوان۔ ۱۲/رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ

جرم کی دفعہ جاری ہونے سے پہلے اس کے ساتھ تنبیہ اور توہین کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اور باضابطہ اس کے مجرم ہونے کا فیصلہ بعد میں کیا جاتا ہے، اسی طرح اگر کسی کو غیر معمولی اعزاز و اکرام سے نوازا جاتا ہے تو اس کے ساتھ اعزاز و اکرام کا سلوک اور برتاؤ پہلے ہی شروع ہو جاتا ہے لیکن باضابطہ اعزاز و اکرام ایک مقررہ وقت پر کیا جاتا ہے۔

اس مہینہ میں عبادت کا ثواب کمّاً اور کیفاً بڑھا دیا جاتا ہے

اس مبارک مہینے میں نفل عبادت کا ثواب فرض کے برابر اور ایک فرض کا ثواب ستر فرضوں کے برابر کر دیا جاتا ہے۔

نفل کا ثواب فرضوں کے برابر ہونا کیفیت اور نوعیت کے اعتبار سے ثواب میں اضافہ ہے اور ایک فرض کا ثواب ستر فرضوں کے برابر ہونا کمیت اور تعداد کے اعتبار سے ثواب میں اضافہ ہے، اسی طرح ایک رات یعنی ''شبِ قدر'' کی عبادت کا ثواب ہزار مہینوں سے بھی زیادہ رکھا گیا ہے، یہ بھی کمیت اور تعداد کے اعتبار سے اضافہ ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ یہ مہینہ ثواب میں کمّاً اور کیفاً دونوں اعتبار سے دوسرے مہینوں سے افضل ہے۔

نفل عبادت کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر فرضوں کے برابر کرنے کی یہ وجہ سمجھ آتی ہے کہ نفلی عمل سے اوپر کے درجہ کے اعمال تو موجود ہیں چنانچہ نفل سے اوپر سنت اور سنت سے اوپر واجب اور واجب سے اوپر فرض ہے اور فرض سے اوپر درجہ کا اور کوئی عمل نہیں۔

لہٰذا جہاں اوپر درجہ کے اعمال تھے وہاں تو عمل کو ترقی دے کر اوپر والے درجہ میں پہنچا دیا گیا یہ کیفیت میں اضافہ ہوا، اور سب سے اوپر والے حصہ میں پہنچا دیا گیا یعنی نفل کو فرض کے خانہ میں شمار کر لیا گیا۔ اور جو عمل پہلے سے ہی اوپر والے درجہ کا تھا وہاں کیونکہ اوپر کوئی اور درجہ نہیں تھا، اس لئے یہاں ترقی اور اضافہ کی شکل صرف کمیت والی ہی تھی، لہٰذا یہاں کمیت بڑھا دی گئی۔

نفل نیچے درجہ کا عمل ہے اور فرض اوپر درجہ کا دونوں کا ذکر کر کے درمیان والے اعمال کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا ہے کیونکہ ابتداء وانتہاء کو بول کر درمیانی حصہ کو شامل کر لیا جاتا ہے۔

ایک شبہ کا جواب

لیکن یہاں بعض لوگوں کو ایک غلط فہمی دور کر دینا ضروری ہے، وہ غلط فہمی یہ ہے کہ بعض لوگ جب یہ بات

سنتے ہیں کہ رمضان میں نفل کا ثواب فرض کے برابراور ایک فرض کا ثواب ستر فرضوں کے برابر ہو جاتا ہے تو وہ لوگ نفل نماز کو فرض کا متبادل سمجھ لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارے ذمہ سے اتنے فرض ادا ہو گئے ، اسی طرح سمجھتے ہیں کہ رمضان کے مہینہ میں ایک فرض ادا کرنے سے ستر فرض نمازیں ذمہ میں سے اتر گئیں یا ادا ہو گئیں۔

یہ گمراہی والی سوچ ہے اور ایسا عقیدہ رکھنا بالکل غلط ہے، کیونکہ نفل کا ثواب فرض کے برابر کیا جاتا ہے لیکن نفل کی حیثیت اور درجہ ادائیگی کے اعتبار سے نفل والا ہی رہتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نفل عمل کا ثواب رمضان کے مہینہ کی برکت سے فرض کے برابر عنایت فرماتے ہیں، اسی طرح ایک فرض کی حیثیت اور درجہ ادائیگی کے اعتبار سے ایک ہی فرض کا رہتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ رمضان کی برکت سے اس کے ثواب کو ستر گنا بڑھا کر عنایت فرماتے ہیں۔

رمضان نیکیاں کمانے کا سیزن ہے

یہاں یہ بتلانا ضروری ہے کہ رمضان کا مہینہ دراصل نیکیاں کمانے اور نیکیوں کا ذخیرہ جمع کرنے کا سیزن ہے، اگر یہ سیزن خالی چلا گیا یا اس سیزن میں محنت نہ کی جاسکی تو پھر محرومی مقدر ہوگی، اور یہ سیزن مرد حضرات کے لئے بھی ہے اور خواتین کے لئے بھی، خواتین جو یہ سمجھتی ہیں کہ ہمارا کام تو بس گھر گھرستی کرنا اور سحری وافطاری تیار کرنا ہی ہے اور بس کوئی کام نہیں وہ سخت غلطی میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ رمضان کے احکام خواتین وحضرات سب کے لئے ہیں، اور شریعت نے عورت ومرد سب کے لئے تفصیلی احکامات بیان کئے ہیں۔

سرکش شیاطین بند ہونے کے باوجود سرکشی سے نجات کیوں نہیں؟

اس بابرکت مہینہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس مہینہ میں شیاطین کو اور خاص طور پر سرکش شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے، اور ان کو یہ قدرت نہیں رہتی کہ وہ لوگوں کو گمراہی کی طرف دعوت دے سکیں، یہ خصوصیت بھی رمضان کے مہینہ ہی کو حاصل ہے کسی اور مہینہ کو حاصل نہیں۔

مگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس کے باوجود بھی بہت سے مسلمان مرد اور عورتیں اس مہینہ میں بھی گناہوں سے نہیں بچتے، چنانچہ ناپ تول میں کمی کا گناہ رمضان میں بھی جاری رہتا ہے، خواتین رمضان کے مہینے میں بھی بے پردہ بازاروں میں اور گلی محلوں میں نظر آتی ہیں، اور مسلمانوں کے گھروں میں رمضان کے مہینہ میں بھی ٹی وی چلتا ہے، اس میں نازیبا اور فحش پروگرام چلتے ہیں، اور بھی کئی گناہ ہیں جو رمضان میں بھی

جاری رہتے ہیں، گویا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے مزاج اتنے فاسد ہو چکے ہیں اور اتنے بگڑ چکے ہیں کہ ہم گناہ کرنے کے لئے اب شیطان کے بھی محتاج نہیں رہے، شیطان کی صحبت اور معیت و رفاقت سے خود ہمارے اندر گمراہی کے جراثیم اس طرح سرایت کر چکے ہیں کہ ہم خود کار مشین بن چکے ہیں، جس طرح کھلونے اور گھڑی وغیرہ میں ایک مرتبہ چابی بھر دی جاتی ہے یا سیل لگا دیئے جاتے ہیں اور ایک مقررہ وقت اور حد تک یہ چیزیں خود چلتی رہتی ہیں، اسی طرح شیطان کی طرف سے ہمارے اندر ایسی چابی بھر دی جاتی ہے کہ شیطان بند اور قید ہونے کے باوجود گناہوں کا سلسلہ ہماری طرف سے جاری رہتا ہے، یہ کتنی بدبختی کی بات ہے کہ گناہ کرنے کے لئے شیطان کی بھی ضرورت نہ رہے، پھر ہدایت کس طرح اور کون سے وقت حاصل ہو سکتی ہے۔

رحمت کو زحمت سے نہ بدلئے

یاد رکھئے کہ جس طرح یہ مہینہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مہینہ ہے اسی طرح زحمت کا مہینہ بھی ہو سکتا ہے، اور اس کا اختیار اللہ تعالیٰ نے ہمیں دے دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے تو اس مہینہ کو رحمت ہی کا مہینہ ہمارے لئے بنایا ہے، لیکن اگر ہم خود ہی گناہوں میں مبتلا ہو کر رحمت کی ''را'' پر نقطہ لگا کر اس رحمت کے لفظ کو زحمت کے لفظ سے بدل دیں تو اس میں اللہ تعالیٰ کا کیا قصور ہے؟ اور رحمت کی راء پر نقطہ گناہوں سے لگتا ہے، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کرنے سے بندہ کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے جو توبہ کے بغیر ختم نہیں ہوتا۔

تو جب گناہ سے سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ گناہ سے رحمت کی راء پر نقطہ لگ جانے کی وجہ بھی معقول ہے اور اس کا ثبوت شرعی دلیل سے ہے۔ گذشتہ سال اللہ تعالیٰ نے رمضان اور اس کے پہلے عشرہ میں جو خصوصیت کے ساتھ رحمت کا عشرہ ہے خطرناک زلزلہ بھیج کر آگاہ فرما دیا تھا کہ رحمت کو زحمت سے نہ بدلو، رحمت کے مہینہ میں تو گناہوں سے باز آ جاؤ، گناہوں سے توبہ واستغفار کر لو، مگر ابھی تک ہماری آنکھیں نہیں کھلیں اور ہم نے اللہ تعالیٰ کی اس تنبیہ اور آگاہی سے صحیح فائدہ نہیں اٹھایا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مہینہ کو ہمارے لئے رحمت کا باعث ہی بنائے رکھیں اور اس مہینہ کی ہمیں صحیح قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، اس مہینہ کی برکات سے ہمیں پورا پورا مستفید فرمائیں، اور ہمارے لئے اس مہینہ اور اس کے اعمال کو بخشش و نجات کا ذریعہ بنائیں، اور ہماری اصلاح اور کامیابی کا وسیلہ بنائیں۔ آمین، ثم آمین۔

مقالات ومضامین

عبدالواحد قیصرانی

تقلید کا ثبوت

عہدِ تابعین اور خیر القرون کے دور میں ثبوت

بعض ناحقیقت شناس اور فنِ تاریخ اور فنِ اسماء الرجال (بیوگرافی) سے ناواقف لوگ سادہ لوح عوام کو یہ کہہ کر ان کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ناکام سعی کرتے ہیں کہ ’’تقلید چوتھی صدی کے بعد کی پیداوار ہے، لہٰذا اس کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں‘‘ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند ایک حوالے اس سلسلہ میں بھی قارئین کے سامنے آجائیں تاکہ اس دجل وفریب کی حقیقت واضح ہوسکے۔

﴿۱﴾......امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

من سره ان یاخذه بالوثیقة فی القضاء فلیاخذ بقول عمر رضی اللہ عنه(اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۵)

یعنی جو شخص قضاء کے بارے میں فیصلہ کن بات لینے کا متمنی ہو تو اسے چاہئے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو لے۔

﴿۲﴾......امام اعمش رحمہ اللہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

انه کان یعدل بقول عمر وعبداللّٰه رضی اللہ عنهما **اذا اجتمعا، فاذا اختلفا کان قول عبداللّٰه** رضی اللہ عنه **اعجب الیه**(اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۳، ۱۴)

یعنی جب حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کسی مسئلہ میں متفق ہوں تو حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ ان کے (قول) کے برابر کسی کے قول کو نہیں سمجھتے تھے، اور جب ان دونوں (کے اقوال) میں اختلاف ہوتا تو ان کو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا قول اختیار کرنا زیادہ پسند ہوتا۔

﴿۳﴾......حضرت ابوتمیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قدمنا الشام فاذا الناس مجتمعون یطیفون برجل، قال، قلت من هذا؟ قالوا هذا فقیه من بقی من اصحاب النبی ﷺ **هذا عمرو البکالی**(حواله بالا)

یعنی جب ہم شام آئے تو دیکھا کہ لوگ ایک صاحب کے پاس جمع ہیں، اوران کے اردگرد پھرتے ہیں، میں نے پوچھا، یہ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ باقی ماندہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑے فقیہہ ہیں، یعنی عمروالبکالی رضی اللہ عنہ۔

﴿۴﴾......امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لم یکن احد له اصحاب معروفون حررو ا فتیاه ومذاهبه فی الفقه غیر ابن مسعود رضی اللہ عنہ **وکان یترک مذهبه وقوله لقول عمر** رضی اللہ عنہ **وکان لایعاد یخالفه فی شئ من مذاهبه ویرجع من قوله الی قوله وقال الشعبی کان عبدالله لایقنت ،وقال لو کنت عمرلقنت عبدالله**(ایضاً ج ۱ ص ۱۶)

یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کوئی صاحب ایسے نہیں ہیں کہ جن کے اتنے مشہور شاگرد ہوں، اورجن کے فتاویٰ اور فقہی مذاہب کواس طرح مدون کیا گیا ہوسوائے ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے ،اس کے باوجود وہ (حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ) اپنامذہب اوراپنا قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے (اجتہاد کے) مقابلے میں چھوڑ دیتے تھے،اورحضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذاہبِ فقہ میں سے کسی کی مخالفت (تقریباً) بالکل نہیں کرتے تھے،اورحضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول آجاتا تو اپنے قول سے رجوع کر لیتے ،اورامام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (فجر کی نماز میں) قنوت نہیں پڑھتے تھے اوراگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قنوت پڑھا ہوتا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی ضرور قنوت پڑھتے۔

حضراتِ تابعین کے ان اقوال کے بعد اب خیرالقرون کے بعض جلیل القدر اہلِ علم کے مسلکی حالت بھی ملاحظہ فرمایئے:

﴿۱﴾......قاضی اسماعیل بن النسفی الکندی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۶۴ھ) فقہ میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متبع تھے،اہلِ مصران سے پہلے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذھب سے شناسانہ تھے،۱۶۴ھ میں انہیں مصر کا قاضی مقرر کیا گیا تھا(الجواہر المضیۃ ج۱ص۱۶)

﴿۲﴾......امام لیث بن سعد رحمہ اللہ (المتوفی ۱۷۵ھ) جو کثیر العلم والحدیث اور ثقہ وثبت تھے،اوراپنے زمانہ میں مصر کے سب سے بڑے مفتی یہی تھے،مشہور غیر مقلد عالم جناب نواب صدیق حسن صاحب ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

وے حنفی مذہب بود وقضائے مصرداشت (اتحاف ص ۲۳۷) (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۶۱، تہذیب الاسماء واللغات للنووی ج ا ص ۴۷)

﴿۳﴾......امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ (المتوفی ۱۸۱ھ) جو امام العلامہ الحافظ اور شیخ الاسلام تھے، فرماتے ہیں کہ میرے پاس جو فقہ ہے میں نے وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہی سے سیکھی ہے (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۳۵۳، تاریخِ بغداد ج ۱۳ ص ۳۵۵)

﴿۴﴾......امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ (المتوفی ۱۹۸ھ) جو الامام العلم اور سید الحفاظ تھے، وہ بھی حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے، اور خود انہیں کا بیان ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی (نعمتوں کی) تکذیب نہیں کرتے، ہم نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے سے بہتر رائے کسی کی نہیں دیکھی اور بے شک ہم نے ان کے اکثر اقوال لئے ہیں (تذکرۃ ج ا ص ۲۷۴، تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۵۰، والجواہر المضیۃ ج ۲ ص ۲۰۹)

﴿مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''الکلام المفید'' باب سوم، لشیخ الحدیث علامہ محمد سرفراز خان صفدر صاحب مدظلہ﴾

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۳۲ ''تاریخی واقعات''﴾

آپ نے حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ کی صحبت اٹھائی، آپ کی عبادت کو فرشتوں کی عبادت سے تشبیہ دی جاتی تھی (المنتظم ج ۱۲ ص ۲۴)

☐......ماہِ شوال ۲۴۹ھ: میں حضرت ابوخلیفہ حمید بن ہشام بن حمید الرعینی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا، امام لیث اور ابنِ لہیعہ رحمہما اللہ سے روایت کرتے ہیں، آپ کی دعائیں کثرت سے قبول ہوتی تھیں (المنتظم ج ۱۲ ص ۲۵)

☐......ماہِ شوال ۲۵۰ھ: میں حضرت ابوعبداللہ احمد بن یحییٰ بن الوزیر رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ ایک بڑے فقیہہ تھے، اور شعر، ادب، جاہلی تاریخ، علم الانساب میں آپ کو بڑا ملکہ حاصل تھا، ۱۵۱ھ میں ولادت ہوئی (المنتظم ج ۱۲ ص ۳۶)

☐......ماہِ شوال ۲۵۰ھ: میں حضرت ابوسعید عباد بن یعقوب الاسدی الرواجنی الکوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، شریک، عباد بن عوام، ابراہیم بن ابی یحییٰ اور ولید بن ابی ثور رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ ہیں، امام بخاری، ترمذی، ابنِ ماجہ، ابوبکر البزار اور صالح جزرۃ رحمہم اللہ آپ کے شاگرد ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۵۳۸)

بسلسلہ: صحابہ کے سچے قصے

ابوجویریہ

صحابیٔ رسول حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ

نام ونسب

آپ کا نام ثوبان تھا، کنیت ابوعبداللہ تھی، اور خاندانی تعلق یمن کے مشہور حمیری خاندان سے تھا۔

حضور ﷺ کی غلامی کا شرف

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ آپ حضور ﷺ کے غلام تھے، اور حضور ﷺ نے آپ کو آزاد کرکے آپ کو یہ اختیار دیا تھا کہ اگر دل چاہے تو اپنے خاندان والوں میں چلے جاؤ اور اگر دل چاہے تو میرے ساتھ رہو تو میرے اہلِ بیت میں تمہارا شمار ہوگا، حضور ﷺ کی خدمت اور اہلِ بیت میں شمولیت سے بڑھ کر فخر کی اور کیا چیز ہوسکتی ہے، اس لئے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے اس شرف کو خاندان میں شمولیت پر ترجیح دی، اور ہر وقت حضور ﷺ کے ساتھ رہنے لگے۔

فضل وکمال

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے خادمِ خاص تھے، اس لئے انہیں حضور ﷺ سے استفادے کے زیادہ مواقع ملتے تھے، حضور ﷺ کی ۱۲۷ احادیث آپ سے مروی ہیں، حضور ﷺ کے بعد جو جماعت افتاء اور علم میں سب سے بڑھ کر تھی اس جماعت کے ایک رکن آپ بھی تھے، آپ کے معاصرین دوسروں سے سنی ہوئی احادیث کی آپ سے تصدیق کرتے تھے۔

حضرت معدان بن طلحہ، راشد بن سعد، جبیر بن نفیر، عبدالرحمٰن بن غنم اور ابوادریس خولاق رحمہم اللہ حدیث میں آپ کے شاگرد ہیں۔

ایک مرتبہ انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا: ''یارسول اللہ کیا میں بھی اہلِ بیت سے ہوں'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں جب تک تم کسی امیر (حاکم) کے پاس سائل بن کر نہ جاؤ یا کسی دروازے کی چوکھٹ پر نہ جاؤ''، انہوں نے اس کے بعد پھر کسی سے سوال نہیں کیا (الاصابہ)

حضور ﷺ کے حکم کی تابعداری

حضور ﷺ کی زندگی میں اور حضور ﷺ کی وفات کے بعد ہر وقت حضور ﷺ کے ارشادات ہی پیشِ نظر رہتے تھے، جس چیز میں حضور ﷺ کی ادنیٰ مخالفت کا پہلو بھی ہوتا اس کام سے اپنے آپ کو ہمیشہ بچاتے، ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ کبھی کسی سے سوال نہ کرنا، اس فرمان کے بعد آپ نے کبھی کسی سے سوال نہیں کیا، اور اس شدت سے حضور ﷺ کے اس ارشاد پر عمل رہا کہ اگر سواری کی حالت میں کوڑا ہاتھ سے چھوٹ کر گر جاتا تھا تو خود اتر کر اٹھاتے تھے، کسی اور سے سوال کر کے نہ کہتے کہ چابک اٹھا کر مجھے دیدیں، حالانکہ گھوڑے سے اترنا پھر چڑھنا ''کارے دارد''، خصوصاً جبکہ گھوڑا اچل رہا ہو تو اس کو روکنا، قابو میں رکھنا پھر اترنا اور چڑھنا کافی مشقت والا عمل ہے (مسند احمد ج۵ ص۲۷۷)

حضور ﷺ کا احترام

حضور ﷺ کا احترام تو ہر مسلمان پر فرض ہے، لیکن حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں اس قدر سخت تھے کہ ایک مرتبہ ایک یہوی عالم نے ''السلام علیک یا محمدؐ'' کہا، اس یہودی کی زبان سے خالی محمدؐ سن کا حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کو اس پر بہت سخت غصہ آیا، اور یہودی کو اس زور سے دھکا دیا کہ وہ گرتے گرتے بچا۔ اس نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ تو نے رسول اللہ کی جگہ محمد کہہ کر کیوں حضور ﷺ کو خطاب کیا، وہ یہودی بولا میں نے کون سا گناہ کیا میں نے تو ان کا خاندانی نام لیا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا ہاں میرا خاندانی نام محمد ہے، اللہ اکبر! حضور کی انکسار اور صحابہ کی جانثاری (مستدرک حاکم ج۳ ص۴۸۱)

شام میں سکونت

حضور ﷺ کی زندگی میں مدینہ میں مقیم رہے، اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد مدینہ منورہ سے شام منتقل ہوگئے، اور رملہ میں سکونت اختیار کرلی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصر کی فتوحات میں شریک رہے، پھر رملہ سے منتقل ہوکر حمص میں رہائش اختیار کی، اور یہیں ۵۴ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں انتقال ہوا۔

رضی اللہ عنہ ورضو اعنہ

بسلسلہ اصلاحِ معاملہ

مفتی محمد امجد حسین

زکوٰۃ اور اموالِ تجارت

اموالِ زکوٰۃ کون کون سے ہیں؟

جن چیزوں میں زکوٰۃ فرض ہے وہ یہ چار چیزیں ہیں: (الف) نقد روپیہ پیسہ چاہے کسی بھی شکل میں ہو (ب) سونا (ج) چاندی، یہ دونوں بھی چاہے کسی بھی شکل میں ہوں، زیور کی شکل میں ہوں یا کسی اور شکل میں، چاہے استعمال میں آ رہا ہو یا ویسے ہی رکھا ہو (د) مالِ تجارت۔

نصابِ زکوٰۃ کیا ہے؟

نصاب کے لئے معیار دو چیزیں ہیں، ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی، ان میں سے جونسی چیز سے پہلے نصاب پورا ہو جائے تو زکوٰۃ کا سال شروع ہو جائے گا، عملاً ساڑھے سات تولہ سونے کا نصاب بننے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ بھی بہت شاذ و نادر، وہ یہ ہے کسی کے پاس صرف سونا ہو باقی تین قابلِ زکوٰۃ اموال میں سے کوئی ایک بھی کسی بھی مقدار میں نہ ہو، جبکہ عموماً رقم ہر آدمی کے پاس کچھ نہ کچھ ہوتی ہی ہے، اس لئے قابلِ زکوٰۃ مال میں صرف اور صرف سونا پاس ہونے کی صورت بہت ہی نادر ہے، بہر حال اگر ایسی صورت ہو تو ساڑھے سات تولہ سونا ہونے پر آدمی صاحبِ نصاب بنے گا، اس سے پہلے نہیں اور جب یہ نصاب پورا ہو جائے تو پھر جتنا سونا ہے سارے سونے کی قیمت لگا کر سال گذرنے پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ دے (بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ساڑھے سات تولہ سونے کے علاوہ باقی سونے پر زکوٰۃ ہوگی یعنی نصاب پورا ہونے کے بعد نصاب کے بقدر سونا زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے، یہ سمجھنا غلط ہے) اس ایک صورت کے علاہ باقی سب صورتوں میں ساڑھے باون تولہ چاندی ہی نصاب ہے، یعنی پاس صرف چاندی ہو یا صرف رقم ہو یا صرف مالِ تجارت ہو، یا مذکورہ چاروں چیزوں میں سے دو، تین یا چاروں چیزیں تھوڑی ہوں اور پھر یہ اکیلے ایک چیز یا ایک سے زیادہ چیزیں ملا کر ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت تک ان کی مالیت پہنچ جائے (ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت فی تولہ چاندی کا نرخ موقعہ پر صراف سے معلوم کر کے جانی جاسکتی ہے) تو نصاب پورا ہو جائے گا، جس دن پہلی دفعہ یہ نصاب پورا ہوا چاند کے مہینے کی وہ تاریخ یاد رکھے، اپنے پاس لکھ لے، اگلے سال چاند کی اسی تاریخ

Idara Ghufran

کوحساب کرے، اگر یہ مذکورہ نصاب ان سب یا بعض چیزوں سے سال پورا ہونے والے دن بھی پورا ہوتو اس پرزکوٰۃ دے، اگر اگلے سال چاند کی اسی تاریخ کو نصاب پورا نہ ہو بلکہ نصاب سے کم ہوتو زکوٰۃ نہ دے، اسی طرح ہر سال چاند کی اسی تاریخ کو حساب کرنا ضروری ہوگا (زکوٰۃ کی ادائیگی تو پیشگی یا بعد میں تھوڑی تھوڑی بھی کر سکتے ہیں، لیکن حساب کرنا سال پورا ہونے والے دن ہی ضروری ہے، نہ ایک دن پہلے نہ ایک دن بعد) سال کے دوران ان (مذکورہ چاروں قابلِ زکوٰۃ) اموال کے کم زیادہ ہونے سے کچھ فرق نہیں پڑتا، اس لئے سال کے دوران حساب رکھنے یا رقم آنے جانے کی تاریخ محفوظ رکھنے کی ضرورت نہیں۔

پس اس مذکورہ اصول کے مطابق یہ عین ممکن ہے کہ قابلِ زکوٰۃ اموال میں سے کوئی ایک مال یا کسی مال کا کوئی حصہ مثلاً رقم زکوٰۃ کا سال پورا ہونے سے محض ایک دن پہلے آئی ہو، تب بھی اگلے دن سب مال کا اکٹھا حساب کریں گے اور سب کی زکوٰۃ دیں گے، اسی طرح یہ بھی عین ممکن ہے کہ قابلِ زکوٰۃ اموال میں سے کوئی ایک مال یا کسی ایک کا کوئی حصہ زکوٰۃ کا (قمری) سال پورا ہونے سے محض ایک دن پہلے خرچ ہو گیا ہو تو جو خرچ ہو گیا اگلے دن جب سال پورا ہونے پر ہم حساب کریں گے اس کو شمار نہیں کریں گے نہ اس کی زکوٰۃ دیں گے، پس پہلی صورت میں مال کے ایک حصہ پر پورا سال گذرا اور ایک حصہ پر محض ایک دن لیکن پھر بھی زکوٰۃ سارے کی دینی ہے، جبکہ دوسری صورت میں مال کا ایک حصہ پورے سال ملکیت میں رہا سال پورا ہونے سے محض ایک دن پہلے خرچ ہوا لیکن زکوٰۃ والے دن (یعنی جس دن قمری حساب سے سال پورا ہوا) چونکہ وہ مال موجود نہیں خرچ ہو چکا ہے اس لئے اس کی زکوٰۃ لازم نہیں۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ زکوٰۃ کی تاریخ یعنی پہلی دفعہ صاحبِ نصاب ہونے کی قمری تاریخ یاد رکھنا کتنا ضروری ہے، اگر اس کا اہتمام نہ رکھا جائے تو ایک سال کی زکوٰۃ دوسرے سال میں چلی جاتی ہے اور بعض دفعہ ایک مال کی زکوٰۃ شرعاً لازم نہیں ہوتی پھر بھی لاعلمی کی وجہ سے آدمی ادا کرتا ہے، اور بعض دفعہ ایک مال کی اس سال کی زکوٰۃ لازم ہو چکتی ہے، لیکن آدمی اس کی زکوٰۃ نہیں دیتا، مثلاً کوئی یکم محرم کو صاحبِ نصاب ہوا تھا اب اگلے سال یکم محرم کو ہی حساب کرنا معتبر ہوگا، اور اسی حساب سے اس گذشتہ سال کی زکوٰۃ کی صحیح شرعی تعیین ہوگی، لیکن اب اگر وہ یکم محرم کی بجائے اگلے سال دس محرم کو حساب کرتا ہے تو اگر یکم محرم کو اس کے پاس ایک لاکھ روپے تھے اور دس محرم تک اس میں سے دس ہزار خرچ ہو گئے تو وہ اپنے حساب میں نوے ہزار کی زکوٰۃ نکالے گا، حالانکہ اس پر ایک لاکھ کی زکوٰۃ لازم ہو چکی تھی۔

اسی طرح اگر یکم محرم کو اس کے پاس ایک لاکھ روپے تھے پھر یکم محرم کے بعد اس کے پاس ۱۰ ہزار روپے مزید آ گئے تو وہ دس محرم کو ایک لاکھ دس ہزار کی زکوٰۃ اپنے حساب سے نکالتا ہے، حالانکہ اس پر اس سال کی صرف ایک لاکھ روپے کی زکوٰۃ لازم ہے، اسی طرح نصاب پورا ہونے کی تاریخ یاد نہ رکھنے سے بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں اور زکوٰۃ کا نازک و اہم مالی فریضہ صحیح معنوں میں ادا نہیں ہو پاتا اور آدمی قرآن وحدیث کی ان وعیدوں کے زمرے میں غیر شعوری طور پر آ جاتا ہے، جو زکوٰۃ وغیرہ شرعی مالی حقوق میں کوتاہی کے متعلق وارد ہوئی ہیں، دنیا سے آنکھ بند ہوتے ہی یہ حقیقت جب کھلے گی تو بڑا حیران و پریشان ہوگا،

واہ رے دین سے جہالت تیرے کرشمے

تو کیا اس سے بہتر نہیں کہ روزمرہ دین کے جن احکام سے ہمیں سابقہ پڑتا ہے ان کا صحیح علم حاصل کریں۔
اس تفصیل سے دو باتیں مزید بھی واضح ہو جاتی ہیں ایک یہ کہ زکوٰۃ کے لئے جو سال گذرنے کی شرط ہے اس سے شمسی نہیں بلکہ قمری سال مراد ہے، اور قمری سال شمسی سال سے لگ بھگ دس گیارہ دن چھوٹا ہوتا ہے۔
اس کے علاوہ بھی جہاں جہاں شریعت کے زمانی حسابات سے متعلق امور ہیں سب میں چاند کا حساب ہی معتبر ہے (جیسے بالغ ہونے، معتدہ جس کی عدت مہینوں کے حساب سے بنتی ہے، وہاں مہینوں کا شمار کرنے، رمضان، عیدین حج وغیرہ کی تعیین اور ایام وغیرہ) دوسرے یہ کہ زکوٰۃ کا رمضان سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ صاحبِ نصاب ہونے کے دن سے تعلق ہے، جو جس دن صاحبِ نصاب ہوگا اگلے سال چاند کی اسی تاریخ کو حساب کرے، اور ایک تیسری بات ''یعنی سال کے دوران مال کے گھٹنے بڑھنے کا اعتبار نہیں'' کی مزید تھوڑی سی وضاحت یہ ہے کہ صاحبِ نصاب ہونے کے بعد جب تک کوئی بالکل مفلس نہ ہو جائے اس کی زکوٰۃ کی مقررہ تاریخ نہیں بدلتی جب اس طور پر کنگلا وقلاش ہو جائے کہ اس کی اپنی ذاتی ملکیت (کیونکہ زکوٰۃ میں ہر عاقل بالغ کی اپنی ملکیت کا اعتبار ہے) میں مذکورہ چاروں قابلِ زکوٰۃ اموال میں سے کوئی ایک مال بھی کچھ بھی باقی نہ رہا (خواہ ان چار اموال کے علاوہ باقی اسباب سامان وغیرہ اس کے پاس ہو) تب البتہ اس کا پچھلا نصاب کا اعتبار ختم ہو جائے گا، اب دوبارہ جب چاندی کے مذکورہ نصاب کے برابر ان قابلِ زکوٰۃ اموال میں سے ایک یا زیادہ سے نصاب پورا ہوگا تو وہ دن دوبارہ نصاب کے لئے معیار بنے گا، اب آئندہ سال اس تاریخ کو حساب کرے گا، ھلم جرا۔

اموالِ تجارت کیا ہیں؟

مالِ تجارت میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کو آدمی نے بیچنے کی نیت سے خریدا اور ابھی تک وہ نیت برقرار

ہو،خواہ وہ منقولہ سامان ہو جیسے مختلف انسانی ضرورت کی چیزیں جن سے بازار اٹے پڑے ہیں، یا غیر منقولہ سامان جیسے مکان، دوکان، زمین، پلاٹ، اسی طرح گاڑی وغیرہ، لیکن اگر بیچنے کی نیت متعین نہ ہو جیسے پلاٹ اس نیت سے خریدا کہ اگر موقعہ ہوا تو اس پر رہائش کے لئے گھر بنالیں گے یا گھر بنا کر کرائے پر چڑھالیں گے اور اگر کبھی موقعہ ہوا تو بیچ بھی سکتے ہیں تو یہ مالِ تجارت میں نہیں آئے گا، اس طرح اگر پلاٹ لیتے وقت تو بیچنے کی نیت تھی لیکن بعد میں ارادہ بدل گیا کہ نہیں بیچیں گے، تو یہاں چونکہ تجارت کی نیت برقرار نہیں رہی اس لئے اس تبدیلی نیت کے بعد زکوٰۃ کی تاریخ آنے پر اس کو شمار نہیں کریں گے (فقہی مقالات ج۳ ص۱۵۱)

سامانِ تجارت کی قیمت کی تعین کا طریقہ

دکان میں جو مالِ تجارت رکھا ہوا ہے اس کی ایک تھوک قیمت ہوتی ہے (ہول سیل پرائس) اور ایک پرچون قیمت (ریٹیل پرائس) ایک صورت تو یہ ہے کہ عام ہول سیل قیمت ان چیزوں کی لگا کر اس کے حساب سے زکوٰۃ ادا کر دی جائے (کیونکہ پرچون قیمت کا تو کوئی اعتبار نہیں کسی کے ساتھ رعایت کر کے اسے عام پرچون نرخ سے کم پر دے دیا جاتا ہے کسی کو عام نرخ پر وغیرہ وغیرہ) لیکن یہاں ایک دوسری صورت کی بھی گنجائش ہے وہ یہ کہ آدمی زکوٰۃ نکالتے وقت یہ حساب لگائے کہ اگر میں سامانِ تجارت کا یہ پورا اسٹاک اکھٹا فروخت کروں تو بازار میں اس کی کیا قیمت لگے گی، آدمی اگر ماہر اور تجربہ کار ہو تو اس کا ایک محتاط اندازہ لگا سکتا ہے، اگر خود اتنی مہارت نہ ہو تو کسی اور تجربہ کار ماہر سے یہ اندازہ لگوا سکتا ہے، سٹاک کی جو محتاط قیمت تجویز ہو اس کے حساب سے زکوٰۃ دینے کی گنجائش ہے، بعض سامان ایسے ہوتے ہیں کہ اس میں ایک ایک آئٹم کی الگ الگ قیمت لگانے میں سخت مشکلات اور دقتیں پیش آتی ہیں، بعض دفعہ الگ الگ آئٹموں کے حساب سے قیمت لگانا ممکن بھی نہیں ہوتا، تو ایسی صورت میں اس سہولت سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے (فقہی مقالات ج۳ باضافہ)

قرض کی اقسام اور زکوٰۃ میں ان کا حکم

قرض کی بنیادی قسمیں تو اس کی ماہیت کے اعتبار سے دو ہیں ایک واجبؔ الوصول دوم واجبؔ الاداء ، واجب الوصول یعنی جو قرض اس زکوٰۃ دینے والے کا دوسروں کے ذمہ ہے اور اس نے وصول کرنا ہے، واجب الاداء وہ قرض جو اس نے لوگوں کا دینا ہے، واجب الوصول قرض (جو اموال زکوٰۃ کے قبیل سے ہو

مثلاً رقم) کو تو اموال زکوٰۃ میں شمار کیا جاتا ہے اور قرض دہندہ کو اس کی زکوٰۃ دینی پڑتی ہے کیونکہ مقروض کے ذمہ وہ قرض اس کا حقِ ثابت ہے ۔جبکہ واجب الاداء قرض کو اموال زکوٰۃ کے مجموعے سے منہا کیا جاتا ہے کہ چاروں قابل زکوٰۃ اموال میں سے جو کچھ اس کے پاس ہو، زکوٰۃ والے دن اس کا ٹوٹل جوڑے اور اس سب سے قرض منہا کر کے باقی کی زکوٰۃ دے (یادرہے کہ جس طرح سالانہ نصاب سال پورا ہونے والے دن کا معتبر ہے اس سے آگے پیچھے کا نہیں اسی طرح واجب الوصول قرض یا واجب الاداء قرض بھی اسی دن جتنا ہے وہ معتبر ہوگا مثلاً سال پورا ہونے والے دن قابل زکوٰۃ اموال ایک لاکھ مالیت کے تھے اور دس ہزار اس کے ذمہ قرض تھا تو اس سال کی زکوٰۃ نوے ہزار کی لازم ہے خواہ زکوٰۃ والے دن کے بعد اور ادائیگی زکوٰۃ سے پہلے وہ قرض باقی نہ رہے اسی طرح جو قرض اس کا لوگوں کے ذمہ ہے اس میں بھی یہی تفصیل ہے) پھر قرض کی تین قسمیں ہیں جن کو فقہاء دَین قوی متوسط اور ضعیف کے نام سے تعبیر کرتے ہیں، ان میں سے قوی اور متوسط کے احکام نتیجۃً ملتے جلتے ہیں۔اس لئے قوی اور ضعیف کے اعتبار سے ہی ان کا حکم بیان کیا جاتا ہے، دَین قوی یہ ہے کہ رقم کسی کو ادھار دی ہو یا مالِ تجارت (یعنی کوئی بھی چیز بیچی ہو) بیچا ہو اس کی قیمت باقی ہو، یا کسی مکان، دکان، پراپرٹی جائیداد کا کرایہ استعمال کرنے والے پر اس صاحبِ جائیداد کا لازم ہو چکا ہو (مثلاً مکان یا دکان کرایہ پر دی ہے اور زکوٰۃ والے دن ابھی کرائے کا مہینہ پورا نہیں ہوا شروع ہے تب بھی اس مہینے کا کرایہ زکوٰۃ میں شمار کریں گے اور مالک اس کی بھی زکوٰۃ دیگا کیونکہ عرف یہ ہے کہ مہینہ اگر شروع ہو جائے تو اس مہینے کا کرایہ لازم ہو جاتا ہے اگر چہ کرایہ دار مہینہ کے درمیان کرایہ داری کا معاملہ ختم بھی کر دے) اسی طرح کاریگر نے اجرت پر کوئی کام کیا ہے اور اس کی اجرت کام کرانے والے کے ذمہ ادھار ہے تو یہ سب واجب الوصول قرضے دین قوی (بعض ان میں سے متوسط) میں داخل ہیں اور ان کا حکم یہ ہے کہ ان قرضوں پر گزشتہ بھی سب سالوں کی زکوٰۃ لازم ہوگی مثلاً ان میں سے کوئی قرضہ پانچ سال بعد ملتا ہے تو ان گزشتہ پانچ سالوں کی زکوٰۃ اس قرض کے حقدار پر ہے خواہ پچھلے سالوں میں ساتھ ساتھ (ابھی قرض وصول نہ ہونے کے باوجود) دیتا رہے یا وصول ہونے کے بعد سب سالوں کی اکٹھی دے (البتہ ساتھ ساتھ دینے میں سہولت بھی ہے کہ یکبارگی بوجھ نہیں پڑے گا اور احتیاط بھی) دَینِ ضعیف میں یہ قرضے آتے ہیں عورت کا حق مہر (یہ عورت کا شوہر کے ذمہ قرض ہے دینِ ضعیف کے قبیل سے) وصیت (مرنے والے نے کسی غیر وارث کے حق میں مال کی وصیت کی تھی تو جب تک یہ مال اسے مل نہ جائے جس کے لئے وصیت کی ہے تو اس کے حق میں یہ بھی دینِ ضعیف

ہے) بدل خلع (عورت کے ذمہ مرد کا قرض ہے دین ضعیف کی قسم سے) اس طرح قتل عمد میں مال پر صلح ہونے کی صورت میں یہ مال نیز قتل خطا میں دیت کی رقم بھی قرض ہے جب تک مقتول کے اولیاء کو وصول نہ ہو جائے۔ دَین ضعیف کی ان سب قسموں کا حکم یہ ہے کہ وصول ہونے کے بعد صرف آئندہ سالوں میں ان کی زکوٰۃ لازم ہوگی گذشتہ سالوں کی نہیں، بشرطیکہ زکوٰۃ کے دن تک باقی رہیں اور اکیلے یا باقی قابلِ زکوٰۃ اموال کے ساتھ مل کر نصابِ زکوٰۃ پورا ہو (مستفاد باضافات طحطاوی علی المراقی کتاب الزکوٰۃ)

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ

یاد رہے کہ پراویڈنٹ فنڈ جو عموماً سرکاری ملازمین کو ریٹائرمنٹ کے بعد ملتا ہے اس پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ لازم نہیں ملنے کے بعد مذکورہ تفصیل سے صرف آئندہ سالوں کی زکوٰۃ لازم ہوگی۔

تجارتی قرضوں کا حکم

واجب الاداء قرضوں کی مذکورہ تفصیل عام ضروریات میں لئے جانے والے قرضوں کے متعلق ہے، رہے وہ تجارتی قرضے جو بڑے بڑے سرمایہ دار پیداواری و کاروباری اغراض مثلاً فیکٹریاں لگانے، مشینری خریدنے یا امپورٹ و ایکسپورٹ کے سلسلے میں لیتے ہیں ان کا حکم الگ ہے کیونکہ ان قرضوں کو بھی مطلقاً منہا کیا جائے تو سب سے بڑے فقیر تو یہی سرمایہ دار نظر آئیں گے جن کی ایک فیکٹری چل رہی ہے لیکن مزید کوئی یونٹ لگانے کے لئے انہوں نے بینکوں سے کروڑوں کا قرض لیا ہوا ہے (یہ قرض بمعہ سود وہ مصنوعات کی قیمت میں شامل کر کے وصول کریں گے) اس لئے ان قرضوں کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ ان قرضوں سے یا ان میں سے جتنی رقم سے ناقابل زکوٰۃ اموال (یعنی مشینری وغیرہ جو کہ تجارت کے آلات ہیں) خریدے جائیں گے اس قرض کو تو اموال زکوٰۃ سے منہا نہیں کریں گے البتہ قرض کی جتنی رقم سے خام مال اور وہ مٹیریل خریدا جائے گا جس سے متعلقہ مصنوعات تیار ہوں گی تو قرض کی یہ رقم نصابِ زکوٰۃ سے منہا کی جائے گی کیونکہ یہ خام مال یا اس سے بننے والی مصنوعات مال تجارت میں شامل ہو کر نصاب میں شمار ہو جائینگی، اس کے خریدنے کے لئے استعمال ہونے والی رقم کو نصاب میں شمار کرنے کی ضرورت نہیں (مستفاد مع اضافات فقہی مقالات ج۳ ص ۱۵۵)

زکوٰۃ میں کون سے دن کی قیمت معتبر ہوگی

سونا چاندی یا مال تجارت کی وہ قیمت جو نصاب کا سال پورا ہونے والے دن تھی اس کے حساب سے زکوٰۃ لازم ہوگی اگرچہ زکوٰۃ کی ادائیگی سال پورا ہونے کے کئی مہینے بعد کر رہا ہو اور اس وقت ان چیزوں کا نرخ بڑھ چکا ہو یا گھٹ چکا ہو۔

بسلسلہ : آدابُ المعاشرت
مفتی محمد رضوان

ہدیہ وتحفہ لینے دینے کے آداب (قسط ۱)

✪ ...... ہدیہ اور تحفہ اس چیز کو کہا جاتا ہے جو دوسرے کے اعزاز واکرام اور محبت کی خاطر اس کی خدمت میں بغیر کسی معاوضہ کے پیش کی جائے۔

✪ ...... ہدیہ اور صدقہ میں فرق یہ ہے کہ ہدیہ کا اصل مقصد تو دوسرے کو خوش کرنا اور اس کی خوشی ومحبت کو حاصل کرنا ہے، اور صدقہ کا اصل مقصد دوسرے کی ضرورت پوری کرنا اور ثواب کا حاصل کرنا ہے۔

اور اگر اخلاص کے ساتھ دوسرے کو ہدیہ وتحفہ پیش کیا جائے تو اس میں بھی ثواب حاصل ہو جاتا ہے، مگر اس کی اصل غرض خوشی اور محبت ہے، اسی لیے ہدیہ مال داروں اور امیروں وغیرہ کو بھی دیا جا سکتا ہے، جبکہ ان کو صدقہ نہیں دیا جا سکتا (شمائل کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۰۵ بتغیر واضافہ)

✪ ...... ہدیہ کا اخلاص کے ساتھ دینا اور قبول کرنا دونوں سنت سے ثابت ہیں، اور مختلف فضائل وفوائد کے حامل ہیں۔

ایک روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

”کھانے پینے کی چیزوں کا آپس میں ہدیہ لیا دیا کرو، اس سے تمہارے رزق میں وسعت وبرکت ہوگی“ (جامع صغیر للسیوطی)

ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ

”ہدیہ لیا دیا کرو، یہ محبت کو بڑھاتا ہے، اور سینے کے کینہ کو دور کرتا ہے“ (جامع صغیر للسیوطی وطبرانی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر ہدیہ وتحفہ کا لین دین اخلاص ومحبت کے ساتھ کیا جائے تو فریقین میں باہمی الفت ومحبت اور مودّت پیدا ہوتی اور بڑھتی ہے، اور عداوت وکشیدگی دور ہوتی ہے۔

ایک حدیث میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

”آپس میں ہدیہ لینے دینے کا تعلق رکھا کرو، اس سے محبت پیدا ہوگی“ (جامع صغیر للسیوطی ومسند ابویعلیٰ)

✪ ...... ہدیہ کے لئے قیمتی اور مہنگی چیز کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ مختصر اور چھوٹی چیز بھی اخلاص کے ساتھ ہدیہ میں پیش کی جا سکتی ہے۔

Idara Ghufran

✪...... ہدیہ ایسی چیز کا دینا چاہیئے جو کارآمد ہو،فضول اور بے کار چیز ہدیہ میں دینا دراصل اپنے مال کو بے جا ضائع کرنا اور دوسرے کے لئے اس چیز کو وبال بنانا ہے،آج کل بہت سے مواقع پر رسمی تحفے ایسی چیزوں کے دیئے جانے لگے ہیں جن کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا،مثلاً مصنوعی گلدستے پیش کئے جاتے ہیں جو اکثر وبیشتر کوڑے کے ڈھیر ہی کی نظر ہوجاتے ہیں۔

✪...... ہدیہ اور تحفہ ہر قسم کے رسم ورواج اور ریاء کاری اور دکھلاوے سے پاک وصاف ہونا چاہیئے۔
آج کل ہمارے معاشرے میں ہدیہ اور تحفہ کے نام پر بہت سی ایسی شکلیں رائج ہوگئی ہیں جو حقیقی ہدیہ کے مقاصد ومنافع سے بالکل خالی ہیں اور اسی وجہ سے اُن کو اختیار کرنے کے باوجود آپس میں محبت پیدا نہیں ہوتی بلکہ عداوت اور دشمنی پیدا ہوتی ہے،دلوں سے کینہ کپٹ دور نہیں ہوتا بلکہ مزید اضافہ ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ ہدیہ اور تحفہ جیسی سنت رسم ورواج،فخر وتفاخر،ریاکاری وغیرہ جیسے گناہوں کی نظر ہوگئی ہے۔

✪...... ہدیہ میں اصل یہ ہے کہ وہ دوسروں کی نظروں سے چھپا کر پیش کیا جائے،سب کے سامنے یا مجمع میں ہدیہ پیش کرنا مناسب نہیں،آج کل ہدیہ اسی کو سمجھا جاتا ہے جو محفل اور مجمع میں سب کو دکھا کر پیش کیا جائے،اگر ہدیہ لینے والا خود ہی دوسروں پر اس کا اظہار کردے تو اس کی مرضی ہے اور یہ اس کا حق ہے، لیکن دوسروں پر ظاہر کرنا ہدیہ دینے والے کا حق نہیں۔

✪......بہتر یہ ہے کہ ہدیہ دوسرے کے ہاتھ میں سپرد کرے،دوسرے کی لاعلمی میں ہدیہ خاموشی سے چھوڑ کر چلے جانا مناسب نہیں،اس سے بعض اوقات دوسرے کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ جانے والا یہ چیز ہدیہ کے طور پر چھوڑ کر گیا ہے،یا اپنی ملکیت والی چیز بھول گیا ہے،اگر مجمع وغیرہ کی وجہ سے دوسرے کے ہاتھ میں ہدیہ دینا مشکل ہو تو اس کی تنہائی کا انتظار کرنا مناسب ہے،اگر یہ بھی مشکل ہو تو ایسا کوئی مناسب حل تلاش کرنا چاہیئے جس سے مجمع کے سامنے ہدیہ کا اظہار بھی نہ ہو اور جس کو ہدیہ دیا جارہا ہے اس کو علم بھی ہوجائے،مثلاً وہاں کے کسی متعلقہ شخص کو اس کی اطلاع دے دے،یا کسی پرچہ وغیرہ پر لکھ کر ہدیہ سے دوسرے کو آگاہ کردے۔

✪......اگر دوسرا کسی وجہ سے ہدیہ قبول نہ کرے اور واپس کرنا چاہے تو اس کو ہدیہ قبول کرنے کا اصرار نہیں کرنا چاہیئے،البتہ واپسی کی وجہ معلوم کرلینی چاہیئے کہ آئندہ کے لئے اس سے بچا جاسکے (جاری ہے......)

Idara Ghufran

بسلسلہ : اصلاح وتزکیہ مفتی محمد رضوان

ان چیزوں کے لئے اہلُ اللہ سے تعلق قائم نہ کرو

اہلُ اللہ اور بزرگانِ دین سے اللہ تعالیٰ کی رضا، اپنی اصلاح اور آخرت کی فکر پیدا کرنے کے لئے تعلق قائم کرنا چاہئے، کوئی فاسد غرض اس میں شامل نہیں ہونی چاہئے، ورنہ اس تعلق کی اصل برکات اور فوائد وثمرات حاصل نہیں ہوتے، آج بہت سے لوگوں کو اہلُ اللہ سے تعلق قائم کرنے کی یا تو اصل غرض کا علم ہی نہیں یا اگر علم بھی ہے تو نیت میں اخلاص نہیں، اس لئے ساری زندگی رسمی تعلق رکھ کر بھی اصل مقصد حاصل کرنے سے بالکل کورے ہی رہتے ہیں، بعض اللہ والوں کا ارشاد ہے کہ اللہ والوں کی خدمت میں جتنے لوگ صبح سے شام تک حاضر ہوتے ہیں ان میں مخلص کم ہی ہوتے ہیں، اگر لوگ اخلاص اور اصلاح کی غرض سے حاضر ہوں تو یکدم کایا پلٹ جائے، حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اسی مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ’’محض دنیا ہی کو نصب العین (یعنی مقصود) بنا کر اہلُ اللہ (یعنی اللہ والوں) سے راہ ورسم (تعلق) پیدا نہ کرنا چاہئے، مثلاً بعض لوگ اہلُ اللہ سے اس لئے ملتے ہیں کہ ان کی ملاقات بڑے لوگوں سے ہے اُن کے ذریعے سے ہمارے کام نکلیں گے، یا بعضے لوگ تعویذ گنڈوں کے لئے ملتے ہیں، حالانکہ اہلُ اللہ سے اس قسم کے کام لینے کی ایسی مثال ہے کہ کسی سنار سے کُھرپا (بیلچہ وغیرہ) بنانے یا لوہار سے زیور بنانے کی فرمائش کی جائے، بعض لوگ مشورہ لیا کرتے ہیں کہ ہم کس قسم کی تجارت کریں، اناج کی تجارت کریں یا کپڑے کی۔ خدا جانے یہ لوگ اہلُ اللہ کو خدا تعالیٰ کا سررشتہ دار سمجھتے ہیں کہ ان کا بتلانا خدا کا بتلانا ہوگا اور جب خدا بتلادے گا تو اس کام میں ضرور نفع ہوگا، یا خدا تعالیٰ کا راز دار سمجھتے ہیں کہ یہ خدا سے مشورہ کر کے بتلا دیں گے‘‘
>
> (نعوذ باللہ تعالیٰ) (اسلام اور زندگی، یعنی الرفیق فی سواء الطریق حصہ اول ص ۱۱۳)

لہٰذا ان اغراض کی خاطر اہلُ اللہ سے تعلق قائم کرنا کہ:

کہ ان کے ساتھ تعلق قائم کرنے سے لوگ ہمیں بھی اللہ والا سمجھیں گے، یا لوگ ہماری بھی عزت کریں گے کہ ان کا تو بڑے بزرگوں سے تعلق ہے، یا ان کے تعلقات سے اپنی کوئی دنیوی کام میں سفارش کرنا مقصود

Idara Ghufran

ہو، یا تعویز وعملیات اور جھاڑ پھونک کے لئے تعلق قائم کرنا کہ جب بھی ہمارا کوئی مسئلہ اٹکے گا یا پریشانی آئے گی تو ان کے تعویز اور دم درود سے مسئلہ حل ہو جایا کرے گا، یا اس غرض سے تعلق قائم کرنا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے راز دار ہیں اس لئے ہم جو بھی دنیا کا کام کاج کریں گے ان کے مشورہ سے کریں گے جس کے بعد ہمیں ناکامی نہ ہوگی، یا اس غرض سے تعلق کرنا کہ ہمارے لئے استخارہ کر دیا کریں وغیرہ وغیرہ، یہ سب اغراض غلط اور فاسد ہیں۔

البتہ اہلُ اللہ سے جائز وناجائز اور حلال وحرام کے مسائل معلوم کرنا، اپنی اصلاح سے متعلق ہدایات طلب کرنا، اور اپنی نجات ومغفرت کے طریقے معلوم کرنا یہ درست بلکہ مفید ہے۔

صدقۂ فطر کے مسائل

جو مسلمان اتنا مالدار ہو کہ اس پر زکوۃ فرض ہو یا زکوۃ فرض نہ ہو لیکن اس کی ملکیت میں ضروری سامان سے زائد کم ازکم اتنا مال وسامان ہو جس کی مجموعی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو، ایسے شخص پر اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر (فی کس پونے دو کلو اور احتیاطاً سوا دو کلو گندم یا اس کی قیمت) ادا کرنا واجب ہے ★......ٹی وی، وی سی آر جیسی خرافات ضروری سامان میں داخل نہیں اس لئے ان کی قیمت بھی حساب میں لگائی جائے گی★...... بیوی کی طرف سے شوہر پر اور بالغ اولاد کی طرف سے والدین پر صدقۂ فطر لازم نہیں ★......صدقۂ فطر عید کی نماز سے پہلے ادا کر دینا بہتر ہے، اور اگر کسی نے پہلے ہی رمضان میں یا رمضان سے بھی پہلے ادا کر دیا تب بھی ادا ہو جائے گا★......اگر کسی نے صدقۂ فطر نہیں دیا اور عید کا دن بھی گزر گیا تو بھی لازم رہے گا معاف نہیں ہوگا، بہر حال جب تک ادا نہیں کیا جائے گا ذمہ میں لازم رہے گا★......لوگوں میں مشہور ہے کہ جس نے روزے نہ رکھے ہوں اس پر صدقۂ فطر نہیں یہ غلط ہے ★......جس غریب کے پاس اتنا مال نہ ہو جس کی وجہ سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے ایسے غریب کو صدقۂ فطر دیا جا سکتا ہے ★......صدقۂ فطر کا غریب کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے مگر بتا کر دینا ضروری نہیں★......ایک شخص یا ایک سے زیادہ افراد کا صدقۂ فطر ایک غریب یا کئی غریبوں کو دینا جائز ہے۔

ترتیب وحواشی: مفتی محمد رضوان

مکتوباتِ مسیح الامت (قسط۶)

(بنام محمد رضوان)

''مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمہ اللہ کی وہ مراسلت جو مفتی محمد رضوان صاحب کے ساتھ ہوئی، ماہنامہ ''التبلیغ'' میں یہ مراسلت قسط وار شائع کی جارہی ہے''

عرض...... نیز جو سورتیں اوقاتِ پنج گانہ کے متعلق **فی دبر کل صلاۃ** (ہر نماز کے بعد) شریعت وتصوف میں موجود ہیں، احقر کے لئے حسبِ حال مناسب ہیں۔

ارشاد...... حسبِ سہولت کہ درس میں فرق نہ آوے۔

عرض...... بندہ الحمدللہ آجکل صبح چار بجے اُٹھ جاتا ہے اور رات دس بجے بستر پر پہنچتا ہے یعنی تقریباً چھ گھنٹے پورے ہوجاتے ہیں، اس سے زیادہ نہیں۔ اگر پونے دس بجے بستر پر پہنچتا ہے تو پھر پونے چار بجے کی جاگ گھڑی کا الارم لگاتا ہے، صبح اُٹھ کر پہلے چار یا آٹھ رکعات تہجد، اس کے بعد مناجاتِ مقبول، پھر حزبُ البحر اور اس کے بعد ایک پارہ قرآن مجید پھر مطالعہ۔ پھر اس کے بعد مسجد پہنچ کر سنتوں اور فرضوں کے درمیان اکتالیس مرتبہ سورہ فاتحہ بسم اللہ سمیت کیا یہ طریق اور ترتیب بندہ کے حق میں مناسب ہے؟

ارشاد...... بہت انسب۔ تعداد کا تعین نہیں، حسبِ وقت بذوق۔ [۱]

عرض...... مذکورہ جملہ اوراد وغیرہ سراً ہوتے ہیں۔

ارشاد...... خفیف جہر۔ [۲]

عرض...... جنابہ خالہ صاحبہ گنگوہ سے بندہ کے غریب خانہ پر راولپنڈی تشریف لے گئیں تھیں، واپسی میں اہلِ خانہ کے فرداً فرداً دستی خطوط لیکر تشریف لائیں، تقریباً تمام گھر والوں کے خطوط میں یہ مضمون موجود تھا

---

[۱] طالبِ علم کے لئے ذکر کی مقدار وتعداد کی پابندی سے بعض دفعہ اسباق ومطالعہ میں کمزوری پیدا ہوتی ہے، اور اسی طرح ذکر وغیرہ کی وقت کی پابندی سے بھی یہ رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے، اس لئے حضرت والا نے تعلیم کے حقوق کو مقدم رکھتے ہوئے تعداد اور وقت کی پابندی کا لحاظ نہیں فرمایا۔

[۲] آج کل بہت سے صوفیاء کے یہاں ذکر میں خفیف اور معتدل جہر کے بجائے جہر مفرط ہونے لگا ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ سب ذاکرین کو مخاطب کرکے فرمایا کہ سب صاحب سُن لیں:

''چشتیہ میں جو جہر ہے وہ محض اس مصلحت سے کہ اپنی آواز کان میں آتی رہے ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کہ آپ کوشش کر کے رمضان سے قبل آنے کی کوشش کریں، اور رمضان المبارک میں تراویح میں یہاں آکر ہی قرآن مجید سنایئے گا، ہم سب آپ کے شدت سے منتظر ہیں، ایک ایک دن شمار کر رہے ہیں جبکہ احقر کا نظریہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ تا حیات آپ والا کی صحبت سے مستفید ہو کر اخلاقِ رذیلہ، سیئہ، ذمیمہ کا زوال، اور اخلاقِ حمیدہ، حسنہ کا رسوخ بکمال پیدا کیا جائے ، **بتوفیق اللہ تعالیٰ و بفیضکم** ۔

ارشاد......ان کی طلب طبعی ہے، آپ کی طلب بشمولِ طبیعت عقلی ہے۔ ۱؎

عرض......احقر جب کبھی جمعرات کو تھانہ بھون جایا کرے تو کپڑے یہاں سے تبدیل کر کے جایا کرے یا جمعہ کے دن وہاں تھانہ بھون تبدیل کر لیا کرے؟

ارشاد......وہاں غسل آزادی کے ساتھ موقع ہونا ملحوظ ہو۔ ۲؎

عرض...... یہ خیال بھی کبھی عبادت کے دوران آجاتا ہے کہ اتنی مشقت وتعب کی کیا ضرورت ہے، جنت اور بخشش کا وعدہ تو نفسِ ایمان پر بھی ہے لیکن الحمدللہ تعالیٰ ساتھ ہی یہ بات مستحضر ہو جاتی ہے کہ کمالِ ایمان دراصل بخشش وحصولِ جنت کی خاطر مطلوب ومقصود نہیں بلکہ اصل مقصود رضاء الٰہی ہے، تو اس سے بحمداللہ خیال اول رفع ہو جاتا ہے۔

ارشاد......بہت خوب۔ ۳؎

عرض......احقر کی طبیعت چاہتی ہے کہ مُنّی والی مسجد میں آپ والا کی رفاقت میں مغرب وعشاء ادا کر لیا کروں، تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مذکورہ مسجد میں خشوع بنسبت دیگر مساجد میں نماز پڑھنے کے زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ احقر نے مغرب اکثر اور عشاء احیاناً مذکورہ مسجد میں ادا کرنے کا معمول رکھا

﴿بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ﴾ تاکہ خطرات نہ آویں، یہ غرض خفیف جہر سے بھی حاصل ہو سکتی ہے، لہٰذا بقاعدہ الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ بہت چِلّاَ چِلّاَ کر ذکر کرنا عبث فعل ہوا، اور عبث فعل پسندیدہ نہیں (ملفوظات ''حُسنُ العزیز''، یعنی ملفوظاتِ اشرفیہ صفحہ ۴۵۸، ملفوظ نمبر ۶۵۰۔ مطبوعہ: تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان۔ طباعت: ۱۹۸۱ء)

اور بعض اوقات جہرِ مفرِط کے ساتھ اور بھی منکرات شامل ہو جاتے ہیں مثلاً مجامع ومحافل میں اجتماعی انداز میں ذکر کرنا جس کو آج کل ''مجالسِ ذکر'' سے موسوم کیا جاتا ہے، اس مروّجہ طریقۂ خاص کا دلائل کی رُو سے غیر مشروع اور ناجائز ہونا ہی معلوم ہوتا ہے۔

۱؎ حضرت والا نے لطیف طریقہ پر بندہ کی طلب کے عقلی ہونے کی نشاندہی فرما کر اس کے راجح ہونے پر آگاہ فرما دیا ہے، کہ طبعی طلب پر عقلی طلب کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

۲؎ جمعہ کے دن نہا دھو کر اچھا اور عمدہ لباس پہننا سنت ہے، لہٰذا اگر اس دن کوئی عذر نہ ہو تو اسی کو دوسرے دنوں پر ترجیح ہوگی، جیسا کہ حضرت کے ارشاد سے ظاہر ہے۔

۳؎ مشائخِ عظام وقتاً فوقتاً سالک کی حوصلہ افزائی بھی حسبِ موقعہ ''تاکہ عجب وتکبر میں ابتلاء نہ ہو'' فرماتے رہتے ہیں، جس سے ہمت میں اضافہ ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت والا نے فرمائی۔

ہوا ہے، اب آپ والا کے اَمر کا انتظار ہے۔

ارشاد......تو پھر سفر میں اور حضر میں مُنّی والی مسجد ہوگی۔ ۱؎

عرض......تجربہ سے معلوم ہوا کہ خلوت میں عجیب کیفیت سی رہتی ہے، ایسا لگتا ہے کہ کوئی چیز گم ہوگئی ہے، برخلاف اختلاط اور میل وجول کے کہ وقت میں بے برکتی، غفلت اور انہاک فی غیر اللہ اس درجہ ہوتا ہے کہ قلب کا سکون و یکسوئی فوت ہو جاتی ہے۔

ارشاد......خلوت محبوب، مطلوب، مبارک۔ اس میں قِلّتِ کلام بھی ہوگیا، اس میں لغو و لایعنی سے احتراز ہوگیا۔ ۲؎

عرض......احقر کا ارادہ یہ تھا کہ مدرسہ ھٰذا سے فراغت کے بعد مزید افتاء کی تعلیم بھی مدرسہ ھٰذا سے ہی حاصل کی جاوے لیکن والدین کا فرمان ہے کہ افتاء کی تعلیم پاکستان ہی حاصل کی جاوے اس وجہ سے احقر کا خیال یہ ہے کہ جلال آباد دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد رمضان المبارک میں چالیس روز کے لئے پاکستان میں کچھ مدارس میں تفسیر پڑھائی جاتی ہے ۲۰/شعبان سے تا آخر رمضان اس کو پڑھا جائے اور اس کے بعد انشاء اللہ افتاء پڑھ لی جائے گی، لیکن احقر کو معلومات نہیں ہیں کہ کس مدرسہ میں جا کر تعلیم حاصل کی جائے کونسا مدرسہ بہتر رہے گا اور پہلے سے خط و کتابت تو نہیں کرنی پڑیگی اس لئے خانقاہ میں جو صاحبِ علم پاکستان سے تشریف لاتے ہیں اگر ان سے احقر معلومات کرے تو کیسا ہے۔ تحریر فرمادیں کیا طریقہ اس معاملہ میں اختیار کیا جاوے۔

ارشاد......زبانی۔ بعد عصر، یہ کاپی ساتھ ہو۔ ۳؎

۱؎ منی والی مسجد مدرسہ مفتاح العلوم سے کچھ فاصلہ پر اور حضرت والا کے دولت خانہ کے بہت قریب میں واقع تھی، حضرت والا اور ان کے مخصوص خدام حضرت والا کے ساتھ منی والی مسجد میں نماز ادا کیا کرتے تھے، بندہ بھی وقتاً فوقتاً حضرت والا کی معیت میں وہاں جا کر نماز پڑھ لیا کرتا تھا، اور مدرسہ مفتاح العلوم کی وسیع مسجد کے مقابلہ میں بندہ کو منی والی مسجد میں زیادہ خشوع محسوس ہوتا تھا، اس لئے بندہ نے اس مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت طلب کی، جس کے جواب میں حضرت نے عجیب وغریب انداز میں بندہ کو اس طرف متوجہ فرمایا کہ نماز میں خشوع تو ہر جگہ ضرورت ہے اور سفر و حضر میں منی والی مسجد کہاں سے آئے گی، فقہائے کرام نے اسی راز کو سمجھتے ہوئے مسجد وغیرہ میں کسی خاص جگہ کی تعیین کو پسند نہیں فرمایا۔

۲؎ خلوت خود صوفیائے کرام کے نزدیک جسمانی چار مجاہدوں کے ارکان میں سے ایک رکن ہے جس کو قلتِ اختلاط مع الانام سے تعبیر کیا جاتا ہے، ااور اس ایک رکن پر عمل کرنے سے دوسرے رکن پر بھی عمل ہو جاتا ہے، یعنی قلتِ کلام پر اور ساتھ ساتھ لغو و لایعنی کئی امور سے حفاظت ہو جاتی ہے، اس لئے حضرت والا نے خلوت کے محبوب ومطلوب ہونے پر مبارکباد پیش فرمائی ہے۔

۳؎ کاپی ساتھ رکھنے کی ہدایت کئی فوائد و مصالح پر مشتمل تھی مثلاً متعلقہ اصلاحی مسئلہ کو زبانی دھرانا نہ پڑے، کاپی میں دیکھ کر صورتِ حال معلوم ہو جائے اور اسی کے ساتھ کسی کو بدگمانی اور تجسس کا موقعہ بھی نہ ملے کہ فلاں صاحب حضرت رحمہ اللہ کے پاس تنہائی میں کس غرض سے گئے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ

بسلسلہ : اصلاحُ العلماء والمدارس ترتیب: مفتی محمد رضوان

❖ اہلِ علم کو استغناء کی ضرورت

اہلِ علم حضرات کو اور خاص طور پر وہ علماء جو دین کی خدمت میں مصروف ہیں انہیں چاہئے کہ استغناء اور توکل علی اللہ کی دولت کو اپنا اصلی سرمایہ بنائیں ،لوگوں کے مال و دولت ہی پر نظر نہ رکھیں ،کیونکہ اللہ والوں کے نزدیک اصل سرمایہ توکل علی اللہ کی دولت ہوتی ہے،اور وہ اسی کو اصل سمجھتے ہیں،اور اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے لوگوں کے دلوں میں بھی ان کی عزت اور وقعت پیدا فرماتے ہیں،اس کے برخلاف جن اہلِ علم کی نظر لوگوں کے مال پر ہوتی ہے اور وہ اسی کی فکر اور ادھیڑ بن میں لگے رہتے ہیں،وہ اس اصل سرمایہ سے محروم ہوتے ہیں اور جب اصل سرمایہ سے محروم ہوتے ہیں تو ان کو کبھی اطمینان وسکون نصیب نہیں ہوتا،اور لوگوں کی نظروں میں بھی ان کی کوئی وقعت وعظمت نہیں ہوتی ،یوں ظاہری رکھ رکھاؤ کے طور پر لوگوں کا جھک کر سلام کر لینا اور دو چار شان بڑھانے والے الفاظ زبان سے نکل جانا اور بات ہے،لیکن یہ صرف ایسا ظاہر ہوتا ہے جس کا باطن خراب ہوتا ہے،کیونکہ دل سے لوگ ایسے اہلِ علم کو ذلیل اور حقیر ہی سمجھتے ہیں اور پیٹھ پیچھے بھی ذکرِ خیر نہیں کرتے ،اور اس کی اصل وجہ وہی ہے جس کا پیچھے ذکر ہوا کہ اصل سرمایہ استغناء اور توکل علی اللہ ہے اور جس کے پاس اصل سرمایہ ہی نہ ہو اس کو اطمینان وسکون کب نصیب ہوسکتا ہے،اور ایسا شخص لوگوں کی نظروں میں کب عزیز ہوسکتا ہے،پھر لالچی اور حریص قسم کے مریض علماء دوسرے علماء کی بھی توہین وتحقیر کا باعث بنتے ہیں کیونکہ انہیں دیکھ کر لوگ دوسرے علماء کو بھی ان جیسا ہی خیال کرنے لگتے ہیں،اور پھر اس کے نتیجہ میں علماء کی پوری جماعت ہی کی طرف سے ایسے متنفر ہو بیٹھتے ہیں کہ اپنی اولاد کو بھی دینی علم نہیں پڑھاتے ،اور یہی خیال کرتے ہیں کہ دین کا علم پڑھا کر ہماری اولاد بھی دوسروں کی دستِ نگر اور بھکاری ہی بن جائے گی ،اور بعض اہلِ علم حضرات کا یہ سمجھنا کہ ہم تو اس غرض سے مال حاصل کرنے کی فکر کرتے ہیں کہ مال و دولت زیادہ ہوگی شان وشوکت اور ٹھاٹھ باٹھ خوب ہوگی تو عوام کے دلوں میں اس سے علماء کی وقعت وعظمت بڑھے گی ،یہ خام خیالی ہے،کیونکہ جو مال لوگوں کی نظروں میں ذلیل اور حقیر بن کر حاصل کیا جائے وہ کبھی بھی فخر وعزت کا باعث نہیں ہوا کرتا۔

البتہ اگر اللہ تعالیٰ استغناء اور توکل کی دولت کے ہوتے ہوئے حلال مال عطا فرمائیں تو یہ عطیۂ خداوندی

ہے، کیونکہ اس صورت میں استغناء اور توکل علی اللہ کا اصل سرمایہ موجود ہے، اس باریک فرق کو اچھی طرح ملحوظ رکھنا چاہئے اور حق وباطل میں تلبیس وخلط نہیں کرنا چاہئے، نفس اور شیطان بڑے مکار اور چالاک ہیں، بعض اہلِ علم نفس وشیطان کی پٹی پڑھانے میں آ کر تاویلات کے راستہ سے فتنوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اہلِ علم حضرات کو استغناء کی نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''علماء ہاتھ پھیلانے کی بدولت نظروں میں ذلیل ہوگئے، اسی وجہ سے امراء اپنے بچوں کو عربی نہیں پڑھاتے، اور بعض تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم کو اپنی اولاد گدا (فقیر) بنانا منظور نہیں

(تحفۃ العلماء جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ و ۲۴۳ بحوالہ التبلیغ نمبر ۱، وعظ امید رحمت کے صحیح معنیٰ)

''علماء کی بے قدری سادگی سے اور پھٹے ہوئے کرتے، پھٹے ہوئے جوتے سے نہیں ہوتی، اس کی تو وہ کچھ بھی پرواہ نہ کریں مگر خدا کے لئے مستغنی ہو کر رہیں۔ ایک شخص پھٹے ہوئے لباس میں ہو لیکن عالم ہو متقی ہو، تو ممکن نہیں کہ مسلمانوں کی نظروں میں اس کی عزت نہ ہو، برخلاف اس کے جو لوگ عبا اور قبا میں ہوتے ہیں، چاہے کیسے ہی مہذب طریقہ سے سوال کریں مگر ذلت ضرور ہوتی ہے، خاص کر اس وقت جب کہ سوال بھی اپنی ذات کے لئے ہو، سوال ضرور ذلت ہے، میں علماء سے کہتا ہوں کھانے کو نہ ملے تم اپنے گھر بیٹھو، مزدوری کر کے کھاؤ۔ اسی کونے میں مر جاؤ مگر ہاتھ مت پھیلاؤ، ہفت اقلیم کی سلطنت بھی بحمد اللہ میرے نزدیک کچھ نہیں، مجھے فاقہ سے بیٹھا رہنا اور گھر کے اندر مر جانا گوارہ ہے مگر کسی کے سامنے اپنی حاجت کا ظاہر کرنا گوارہ نہیں، اگر کپڑے نہیں تو پھٹے ہوئے پہنیں، پیوند لگے ہوئے پہنیں اور امیروں اور نوابوں کی پرواہ نہ کریں، اپنے فاقہ ہی میں مست ہوں، مَر جائیں مگر سوال نہ کریں، کسی سے آنکھ ان کی نہ لچے، اپنے خدا سے کام رکھیں۔

جب علماء حق تعالیٰ کا کام کریں گے تو کیا حق تعالیٰ ان کو بھول جائیں گے؟'' (تحفۃ العلماء جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ بحوالہ التبلیغ نمبر ۱، وعظ امید رحمت کے صحیح معنیٰ صفحہ ١٦٨)

فائدہ: ملاحظہ فرمایئے! کتنے اہتمام اور مضبوطی کے ساتھ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے علماء کو استغناء کی ہدایت فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

علم کے مینار :مولانا محمد امجد حسین

مسلمانوں کے علمی کارناموں وکاوشوں پر مشتمل سلسلہ

ہر چہ گیرد علّتی ......(قسط ۱۱)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور علمِ حدیث

نصابِ تعلیم کے اس تیسرے دور کے آخر اور چوتھے دور کے شروع میں ان دونوں ادوار کے سنگم پر سب سے قد آور اور عبقری شخصیت حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی ہے، نصابِ تعلیم کے چوتھے دور کے تذکرے سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی نصابی خدمات اور اثرات کا یہاں مستقلاً مختصر طور پر تذکرہ کیا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب [۱] (متوفی ۱۱۷۴ھ) کی علمی، تجدیدی، اصلاحی اور ملی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، اور پورے برصغیر کی اسلامی تاریخ پر آپ کی ذات والا صفات کے دوررس اثرات ہیں، آپ کے تجدیدی وعلمی کارناموں میں یہ بھی ایک نمایاں کارنامہ ہے کہ آپ ہندوستان میں تحصیلِ علوم سے فراغت کے بعد عرب (حرم شریف) گئے اور وہاں کئی برس قیام کر کے شیخ ابوطاہر مدنی جیسے محدثِ وقت سے علمِ حدیث کی تکمیل فرما کر یہ تحفہ ہندوستان لے کر آئے، اور اپنے پیش رو شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے کام کو آگے بڑھایا (شیخ ابوطاہر آپ کی فہم سے اتنے متاثر تھے کہ فرماتے تھے ولی اللہ مجھ سے الفاظ کی سند لیتے ہیں اور میں ان سے معانی کی) ہندوستان کے علمی حلقوں اور تعلیمی درسگاہوں میں صحاحِ ستہ اور دیگر کتبِ حدیث کا نصابی حیثیت سے اجراء اور رواج

---

[۱] حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ 1703ء میں اورنگزیب عالمگیر رحمہ اللہ کی وفات سے چار سال پہلے پیدا ہوئے، یہ زمانہ سیاسی طور پر مسلمانوں کے زوال کا دور تھا، لیکن مذہبی اور علمی اعتبار سے اصلاح اور تجدید بھی اس دور میں بہت ہوئی، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کے والدِ گرامی حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ تھے، آپ نے دلی میں مدرسہ رحیمیہ قائم کیا جس کو بعد میں شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے بعد شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مرکزیت عطا کی، شاہ عبدالرحیم فتاویٰ عالمگیری کی تصحیح کی خدمات میں بھی شامل رہے (انفاس العارفین) جس کی تدوین کا کام خود سلطان عالمگیر کی عملداری میں علماء وفقہاء کی ایک مجلس سرانجام دے رہی تھے، شاہ عبدالرحم فقیہہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کامل ومکمل صوفی صافی بھی تھے، شاہ صاحب اپنے والدِ گرامی کے متعلق ایک جگہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص بھی ایسا نہیں دیکھا جو عام علوم میں عموماً اور فقہ وحدیث میں خصوصاً ان کی طرح تبحر رکھتا ہو (بحوالہ آبِ کوثر) باپ کی اس جامعیت کا اثر باپ کی تعلیم وتربیت کی راہ سے بیٹے پر بھی پورا پورا ہوا کہ نہ فقہ سے متنفر، نہ تصوف کی مخالفت اور نہ حدیث سے بیگانگی۔

اس وقت سے ہی ہوا جب آپ اور آپ کے نامور جانشین اور اخلاف نے علمِ حدیث کی تدریس واشاعت کا مشن سنبھالا اور اس راستے میں اپنی زندگیاں کھپا ڈالیں، آج برصغیر کے طول وعرض میں دینی مدارس میں صحاحِ ستہ اور دیگر کتبِ حدیث کی امتیازی شان کے ساتھ تعلیم وتدریس کی جو روایت قائم ہے اس کا سلسلہ فیض حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی ذاتِ گرامی تک ہی جا کر پہنچتا ہے، اب تو کچھ عرصہ سے اس خطے کے طلباء عالمِ عرب کی جامعات میں جا کر بھی علمِ حدیث کی پیاس بجھانے لگے ورنہ اس سے پہلے برصغیر میں علمِ حدیث کے سلسلہ کی ساری کڑیاں اور ساری لڑیاں حضرت شاہ صاحب پر ہی جا کر پہنچتی تھیں، حضرت شاہ صاحب کے اخلاف اور جانشین بھی جامعیت کی شان رکھتے تھے ان میں سے سب سے نامور آپ کے خلف الرشید اور آپ کے علوم وکمالات کے وارث حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تھے، علمِ حدیث میں آپ کو مرکزیت کا مقام حاصل ہے، [1] آپ سے علمِ حدیث کا فیض حاصل کرنے والے نہ صرف برصغیر کے طالبانِ علم تھے بلکہ دنیا کے اطراف واکناف سے علمِ حدیث کے پیاسے

---

[1] علمِ حدیث اسلامی علوم میں سب سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے، اس علم کی اپنی ایک سنہری تاریخ ہے، علماء ومحدثین کی عزیمت اور کمالات کی بہت ہی شاندار تاریخ اس علم سے وابستہ ہے، علمائے حدیث کی یہ رِیت اور روایت رہی ہے کہ حضور ﷺ سے لے کر آج تک انہوں نے ہر ہر حدیث کے پورے سلسلہ سند کو محفوظ رکھا ہے، جس میں اس چودہ سو سالہ عرصہ میں کہیں انقطاع نہیں، ہر حدیث نبی علیہ السلام تک اس طرح پہنچتی ہے کہ درمیان میں راویوں کی پوری لڑی محفوظ اور ہے، ہندوستان میں پہلے شیخ عبدالحق اور بعد میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے دم قدم سے از سرِ نو علمِ حدیث کے غلغلے اٹھے اور ملک کا چپہ چپہ علمِ حدیث کے فیض سے گونجنے لگا، ورنہ اس سے پہلے ہماری درسیات میں مشکوٰۃ تک علمِ حدیث کی تعلیم ہوتی تھی، جیسا کہ نصاب کے دورِ اول میں اس کا ذکر ہو چکا ہے، حضرت شاہ صاحب کی لڑی میں نیچے آ کر حضرت شاہ عبدالغنی مجددی رحمہ اللہ بھی مرکزیت کی حامل ہستی ہیں، روایتِ حدیث میں سلسلہ سند کا پسِ منظر یہ ہے ''جب سے صحاحِ ستہ اور احادیث کے دوسرے مجموعے مدون ہو کر دنیا میں پھیلے ہیں اور ان کے مصنفین کی طرف نسبت تواتر کی حد تک پہنچ گئی ہے اس وقت سے روایتِ حدیث کا یہ طریقہ کہ حدیث بیان کرنے والا اپنے آپ سے رسول اللہ ﷺ تک تمام واسطوں کو بیان کرے متروک ہو چکا ہے، اور اب اس کی زیادہ ضرورت بھی نہیں رہی صرف حدیث کی کتاب کا حوالہ دینا کافی ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ کتابیں تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہیں لیکن سلسلہ اسناد کو باقی رکھنے اور تبرک کی خاطر اکابر میں یہ معمول چلا آتا ہے کہ وہ کتبِ حدیث کی اسناد بھی محفوظ رکھتے ہیں، یہ طریقہ زیادہ قابلِ اعتماد بھی ہے، اور باعثِ برکت بھی، چنانچہ ہر دور کے مشائخِ حدیث ان کتابوں کے مصنفین تک اپنے سلسلہ سند کو محفوظ رکھتے ہیں، پھر بڑے مشائخِ حدیث کے یہاں یہ بھی معمول رہا ہے کہ وہ مصنفین کتبِ حدیث تک اپنی اسناد کے متعدد طرق کو ایک رسالہ کی صورت میں مرتب کر دیتے ہیں، جسے اصطلاحِ حدیث میں ثبت کہا جاتا ہے، پھر اختصار کی خاطر شیخ تلمیذ کو صرف ثبت کی اجازت دے دے تو تمام کتبِ حدیث کی اجازت اسے حاصل ہو جاتی ہے، ہمارے زمانہ میں صحاحِ ستہ کے مولفین تک ہماری سندوں کا مدار حضرت شاہ عبدالغنی مجددی صاحب پر ہے، اور انہوں نے مصنفینِ کتبِ حدیث تک اپنی اسانید کے تمام طرق ایک رسالہ میں جمع کر دیئے ہیں جو ''الیانع الجنی'' کے نام سے چھپا ہوا ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے ایک رسالہ میں تمام اکابرِ دیوبند کی اسانید حضرت شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ تک پہنچا کر جمع کر دی ہیں جس کا نام ''الازدیاد السنی علی الیانع الجنی'' ہے (درس ترمذی ج ۱ ص ۱۴۱، مولفہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ)

آپ کی مجلسِ درس میں حاضر ہوتے تھے، آپ کے فیض کا دریا لگ بھگ ساٹھ سال تک ٹھاٹھیں مارتا رہا اور دنیا جہان کے علمِ حدیث کے پیاسوں کو سیراب کرتا رہا، آپ کے بعد مسندِ حدیث پر آپ کی جانشینی شاہ محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ کے حصہ میں آئی، شاہ محمد اسحاق صاحب کے بعد ان کے شاگرد شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ کا نام علمِ حدیث کی تدریس واشاعت میں امتیاز رکھتا ہے جو اکابرینِ دیوبند کے استاد تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا ترتیب دیا ہوا نصابِ درس

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے رسالہ ''الجزء اللطیف'' میں جو نصابِ تعلیم بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے:
نحو میں کافیہ وشرح جامی۔ منطق میں شرح شمسیہ (قطبی) شرح مطالع۔ فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمۃ۔ علم الکلام میں شرح عقائدِ نسفی، اس کا حاشیہ خیالی، شرح مواقف۔ فقہ میں شرح وقایہ، ہدایہ کامل۔ اصولِ فقہ میں حسامی، توضیح تلویح (کچھ حصہ)۔ ھیئت وحساب میں بعض مختصر رسائل۔ علمِ طب میں موجز القانون۔ علمِ حدیث میں مشکوۃ المصابیح (عمومی نصاب میں) تفسیر میں مدارک وبیضاوی۔ تصوف وسلوک میں عوارف المعارف (شیخ شہاب رحمہ اللہ کی) رسائلِ نقشبندیہ اور شرح رباعیات جامی، مقدمہ شرح اللمعات، مقدمہ نقد النصوص (بحوالہ: ہمارا نصابِ تعلیم کیا ہو؟)

نصابِ تعلیم کا چوتھا وآخری دور

چوتھا دور بارہویں صدی ہجری سے شروع ہوا، جو شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کا عہد ہے، شمسی کیلنڈر سے یہ اٹھارہویں صدی ہجری کا پرآشوب زمانہ ہے، احمد شاہ ابدالی اور نادر شاہ درانی کے حملے ہندوستان پر اسی دور کے لہو رنگ واقعات ہیں، فرنگیوں کی ریشہ دوانیاں، سلطان ٹیپو اور سراج الدولہ کی مظلومانہ شہادت، سلطنتِ خداداد میسور اور بنگال کا سقوط سب اسی دور کی خونچکاں داستانیں ہیں۔

اس صدی کے شروع میں سلطان اورنگزیب عالمگیر رحمہ اللہ کی آنکھ بند ہوتے ہی ہندوستان طوائف الملو کی کا شکار ہوگیا، اور مسلمانوں کا سیاسی زوال دن بدن گہرا ہوتا چلا گیا، ملک اندرونی وبیرونی سازشوں اور سازشیوں کے ہاتھوں میں بازیچۂ اطفال بن گیا۔ سکھ، مرہٹے، جاٹ، باغی امراء، چاروں طرف سے یلغار کرنے لگے، مرکزِ حکومت میں عیاش شہزادے دوسروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر تگنی کا ناچ دکھا رہے تھے اور بزبانِ اقبال مرحوم ع زاغوں کے تصرف میں ہیں عقابوں کے نشیمن
کا نقشہ پیش کررہے تھے، یا پھر سرمد مجذوب کی یہ رباعی عالمگیر کے نااہل وارثوں کی تباہ حالی کی عکاس تھی ؎

یاراں چہ قدرراہِ دورنگی دارند مصحف بہ بغل دینِ فرنگی دادند
پیوستہ بہم چوں مہرہ ہائے شطرنج دردل ہمہ فکرخانہ جنگی دارند

قوم کی حالت کبیر داس کے اس شعر کا مصداق بنی ہوئی تھی۔ ؎

چلتی چکی دیکھ کر دیا کبیرا رو دو پاٹوں کے بیچ میں آ زندہ رہیانہ کو

اور قوم کا مجموعی طور پر جس قدر دیوالیہ نکل چکا تھا اور ملت جس طرح کھوکھلے پن کا شکار ہو چکی تھی اس پر خود سلطان اورنگزیب عالمگیر اپنی زندگی میں بایں الفاظ مرثیہ کہہ چکے تھے۔ ؎

آ نکہ بر جستیم و کم دیدیم کہ بسیار است و نیست نیست جز آدم دریں عالم کہ بسیار است و نیست

جس کا آزاد ترجمہ بزبانِ اقبال مرحوم یہ ہے۔ ؎

تیرے محیط میں کہیں گوہر زندگی نہیں ڈھونڈ چکا میں موج موج دیکھ چکا میں صدف صدف

اور اس حالت پر ایک صاحبِ دل کے دردمند دل سے یوں بھی صدائے احتجاج بلند ہو چکی ہے۔ ؎

مسلماناں مسلماناں! مسلمانی مسلمانی ازین آئینِ بے دیناں پشیمانی پشیمانی

اس پر آشوب دور میں نصابِ تعلیم کے چوتھے دور کا آغاز ہوا یعنی درسِ نظامی کا دور، اس دور میں درسِ نظامی کے نام سے مشہور ہونے والا موجودہ دینی نصاب پروان چڑھا اور فروغ پا کر ملک کے چپہ چپہ پر اپنا ایسا سکہ بٹھا گیا کہ دینی مدارس میں آج اکیسویں صدی میں بھی یہی سکہ رائج الوقت ہے، گو کہ اس کا معقولی اور فنونِ الیہ کا حصہ اپنے اسلوب اور طرز میں ایسا ہے کہ نظامی مدارس سے باہر کی فضا میں شائدان کی وہی حیثیت آج ہو چکی ہے جو اصحابِ کہف کے ان کھوٹے سکوں کی تھی جو تین سو سال کی نیند سے بیدار ہو کر وہ بازار لے کر گئے تھے اور پھر وہ سکے دیکھ کر زمانہ والوں پر اس دور کی تاریخ کا سب سے بڑا راز فاش ہوا تھا، اور صدیوں کا لاینحل معمہ حل ہوا تھا۔ درسِ نظامی ملا نظام الدین سہالوی کے نام سے موسوم ہے، جو سلطان اورنگزیب عالمگیر کے عہدِ حکومت میں پیدا ہوئے، ان کے والد ملا قطب الدین شہید عہدِ عالمگیری کے بہت بڑے عالم تھے، اور لکھنؤ کے اطراف میں ان کا اپنا حلقہ درس تھا، ان کی شہادت پر عالمگیر نے ان کی اولاد کو فرنگی محل میں بسایا اور ان کو وہ حویلی دی جو بعد میں مدرسہ فرنگی محل کے نام سے عالمگیر شہرت کا حامل ادارہ بنا، اس کو یہ شہرت قطب الدین کے لائق بیٹے ملا نظام الدین بانی درسِ نظامی کی خدمات اور کارناموں سے ہی حاصل ہوئی، درسِ نظانی کا تفصیلی تذکرہ آئندہ ملاحظہ ہو (جاری ہے............)

تذکرۂ اولیاء

مولانا محمد امجد حسین

اولیاء کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

تصوف کے مشہور سلسلوں کا تاریخی پسِ منظر (قسط ۷)

صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان صحبت وصحابیت

دین فطرت، شریعتِ مطہرہ کے چشمۂ صافی سے سب سے پہلے سیراب ہونے اور حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت وتربیت سے براہ راست فیضیاب ہونے والی جماعت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قدوسی وپاکباز جماعت ہے، حضور ﷺ کی صحبت، ہدایت اور سعادت کے حصول کا ایسا نسخہ اکسیر پر تاثیر تھا کہ ایک ہی صحبت میں ہم نشین مرتبہ احسان [1] پر فائز ہو جاتا، مرتبہ احسان ہی عبدیت وبندگی کی معراج ہے،

---

[1] حدیث جبرئیل (صحیح مسلم ج ا کتاب الایمان) میں آپ ﷺ نے احسان کی یہ حقیقت بیان فرمائی ہے ''ان تعبداللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک '' کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اس طرح کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے، احسان کا پہلا اور اونچا درجہ کہ ''گویا اللہ کو دیکھ رہا ہے'' ایسی کیفیت اور ذوق حاصل ہو جانا ہے (اخلاص وعبادت کے نتیجے میں) کہ موجودات کے ہر جلوے میں، کائنات کے ذرے ذرے میں اللہ تعالیٰ جلوہ نما نظر آتے ہوں بقول شخصے ؎

جہاں کے ذرے ذرے سے عیاں ہیں تیرے جلوے مگر سمجھ میں آ نہیں سکتا ٹھکانہ ہے کہاں تیرا

اس مقام میں سالک اپنے رب کو اپنے دل میں بسا لیتا ہے، اس کا دل تجلّیات ربّانی کی جلوہ گاہ بن جاتی ہے۔ ؎

تجھ سا کوئی ہمدم کوئی دمساز نہیں ہے باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہے

یہ مقام تو بڑے نصیبہ وروں کو حاصل ہوتا ہے جو مجاہدہ نفس اور شیطان سے مقابلہ کے میدان کے پورے پورے جوانمرد اور مردِ میدان ہوتے ہیں یہی توحیدِ عملی کا برتر مقام ہے بعد کے ادوار میں تصوف میں اس سلسلے میں وحدت الوجود، وحدت الشہود کے نام سے اصطلاحات وجود میں آئیں اور مشائخ صوفیاء نے اس کی تفصیلات سے علوم کے دریا بہا دیئے کتابیں بھر دیں، مکاشفات وواردات قلبیہ سے کیا کیا سربستہ بھید کھولے، کون ومکان کے راز فاش کئے، شیخ اکبر کی تصنیفات فصوص الحکم، فتوحاتِ مکیہ وغیرہ میں اس سلسلہ میں کیا کچھ نہیں کھولا گیا، پھر شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے محاکمات اور وحدت الشہو دی تفصیلات بھی شریعت کی کیا کیا باریکیاں کھولتی ہیں، اور مرتبہ احسان کا دوسرا درجہ جس کو حدیث میں ''اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے'' سے تعبیر کیا ہے گویا یہ ہے کہ عقلی طور پر اللہ تعالیٰ کی معیت ورؤیت کا استحضار رکھے اور ہر عمل میں نیت میں اخلاص پیدا کرے، احسان کا یہ درجہ ہر مسلمان معمولی توجہ اور اہتمام سے حاصل کر سکتا ہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی آپ بیتی میں ایک موقعہ پر فرمایا ہے کہ تصوف کی ابتداء حدیث ''انما الاعمال بالنیات '' سے ہوتی ہے، کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اس لئے سالک (تصوف وسلوک کے راستے پر سفر کرنے والا) سب سے پہلے ہر عمل میں اپنی نیت کی تصحیح اور نیت میں اخلاص پیدا کرنے کا اہتمام کرے اور تصوف کی انتہا اور تکمیل مرتبہ احسان کے حصول پر ہوتی ہے جس کا حدیثِ جبرئیل میں ذکر ہے اس مقصد کے لئے مشائخ سارے مجاہدے کراتے ہیں، رگڑائیاں ہوتی ہیں دوام طاعت اور کثرتِ ذکر کا اہتمام کرایا جاتا ہے اور تجربہ یہ ہے کہ عادتاً نفس اس طرح مجاہدوں اور رگڑائیوں کے بغیر قابو میں نہیں آتا، سرکشی نہیں چھوڑتا، ورنہ یہ مجاہدے، ریاضتیں خود مقصود نہیں، بلکہ مقصود میں معاون اور مقصود کے حصول کا ذریعہ ہیں

مرتبہ احسان یہ ہے کہ بندۂ مومن کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی معیتِ خاصہ اور ان کی عظمت و بزرگی کا دائمی استحضار قلب میں حاصل ہو جائے اور یہ کیفیت طبیعت میں اچھی طرح راسخ ہو جائے اور رچ بس جائے۔

نبی علیہ السلام کی صحبت نے صحابہ کرام کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ ؎

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے اللہ اللہ کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

اسی صحبت کی وجہ سے صحابی کا لقب اور صحابیت کا منصب اس قدوسی جماعت کی پہچان اور ان کا سرمایہ افتخار قرار پایا، صحابی کے لفظ میں سارے روحانی کمالات اور عظمت وسعادت کے سارے مقامات سموئے ہوئے ہیں،، اور یہ لقب نبوت کے بعد ہدایت کے ارفع واعلیٰ ترین مقام کا عنوان جلی ہے، چنانچہ خود صحابہ کرام مجاہد بھی تھے اور ایسے مجاہد کہ چہار دانگ عالم میں جنہوں نے اسلام کا سکہ بٹھایا اور گمراہیوں کے اندھیاروں میں آسمانی ہدایت کا ڈنکہ بجوادیا بقول اقبال ؎

دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

اور

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

اس طرح صحابہ خلیفہ، حاکم وقت، گورنر، فوجوں کے سپہ سالار، لشکروں کے کمانڈر و جرنیل، ریاستی، انتظامی اور سیاسی قوانین کے مدون ومقنن تھے۔ بڑے بڑے باجبروت شہنشاؤں اور قیصر وکسریٰ کے درباروں میں اسلامی سلطنت کے سفارتکار اور سفیر بھی بن کر گئے، اور ان خالص دنیوی ومادی (بزعم اہل دنیا) مناصب اور کشور کشائی وجہان بانی کے عہدوں پر بھی اپنی لیاقت، صلاحیت، مہارت اور قابلیت کے جو جوہر انہوں نے دکھائے دنیا آج تسخیر شمس وقمر کے دور میں بھی ان سب میدانوں میں ان کا لوہا مانتی ہے اور اس کا عشرِ عشیر بھی پیش نہیں کر سکتی۔

اسی طرح صحابہ حافظِ قرآن، قاری، محدث، مفسر، مبلغ، داعی، فقیہ، مجتہد، علمی مجالس کے معلم، تعلیمی حلقوں کے مدرس، منبر ومحراب کے بہترین خطیب وواعظ بھی تھے، جن میں سے ہر ہر لقب شرف وکمال کا مستقل عنوان ہے لیکن خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں، نبی علیہ السلام نے اپنی احادیث میں اور سلف سے خلف تک پوری امت نے ان کی پوری پوری تعریف، تعارف اور پہچان کے لئے جو لقب چنا وہ صحابی کا لقب ہے جو صحبت سے نکلا ہے اور نبی کی صحبت اٹھانے کی وجہ سے ان کو ملا ہے۔ یہ ایک لفظ ہی اپنے اندر انسانی

سعادتوں اور کمالات کی وہ ساری تفسیریں سمیٹے ہوئے ہے جو صحابہ کو حاصل تھیں چنانچہ پھر دیکھئے کہ صحابہ کے بعد کے طبقات میں، امت میں بڑے بڑے فقیہہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جیسے، بڑے بڑے محدث، امام بخاری جیسے، بڑے بڑے مفسر، امام رازی، طبری اور ابن کثیر جیسے، چوٹی کے مجاہد، صلاح الدین ایوبی جیسے، بڑے بڑے واعظ وخطیب، ابن جوزی جیسے، بڑے بڑے متکلمین اور اسلام کے ترجمان، امام غزالی جیسے، بڑے بڑے صوفی اور زاہد شبلی و بایزید اور جنید جیسے آئے اور اپنے اس خاص میدان میں عزیمت وعظمت کی تاریخ رقم کرنے کی وجہ سے وہ لقب ان کو ملا یعنی کوئی محدث کہلایا اور کوئی فقیہ، کوئی مفسر تو کوئی صوفی وزاہد، اور امت نے اسی لقب سے ان کی عظمت کے گن گائے لیکن یہ ان کمالات کی وجہ سے صحابہ کی صحبت والے کمال سے بازی نہ لے جا سکے اور کیونکر بازی لے جا سکتے تھے جب خود صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی یہ سارے کمال ہونے کے باوجود ان کا صحبت والا شرف ہی ان کے لئے درجہ امتیاز قرار پایا تھا۔ بعد کے زمانے میں جب (اُن مقاصد کے تحت جن کا پیچھے ذکر ہو چکا ہے) تصوف کا مستقل ادارہ وجود میں آیا تو اس میں اصلاح وتزکیہ کے عمل میں صحبت کی بنیادی اہمیت رہی اور آج بھی مشائخ تصوف کے ہاں اس کی یہی اہمیت ہے۔ صحبت ہی سے اللہ والے بزرگانِ دین ومشائخ جو اللہ کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں ان کا یہ رنگ مریدین صادقین پر منتقل ہوتا ہے اور بتدریج مرتبہ احسان کی طرف وہ گامزن ہو جاتے ہیں حضرت شیخ شرف الدین یحیٰ منیری رحمہ اللہ اپنے معروف مکتوبات صدی میں ایک موقعہ پر فرماتے ہیں:

> ''صحبت بھی ایک بڑی اہم چیز ہے اور طبیعتوں میں صحبت کی غیر معمولی تاثیر ہوا کرتی ہے یہاں تک کہ باز جو ایک پرندہ ہے آدمی کی صحبت میں دانا ہو جاتا ہے اور طوطا بولنے لگتا ہے، تربیت سے گھوڑے انسان کی صحبت میں رہ کر حیوانیت چھوڑ دیتے ہیں اور آدمی کی عادتیں اختیار کر لیتے ہیں، مشائخ رحمہ اللہ کے یہاں صحبت فرضیت کا درجہ رکھتی ہے اور ان سب کی اصل بنیاد یہی ہے کہ نفس سرکش عادات کا تابع ہوتا ہے اس کو اسی سے آرام وسکون حاصل ہوتا ہے یہ جس گروہ کی صحبت اختیار کرے گا انہی کے افعال کو اپنائے گا الخ (بحوالہ قصص الاولیاء مترجم ص ۲۶)

صحابہ کے زہد کے کچھ نمونے

مرتبہ احسان کا لازمی اثر دنیا سے بے رغبتی یعنی زہد وفقر اور ہر دم اللہ تعالیٰ سے لو لگائے رکھنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے خیر القرون میں یہ دولت سب زمانوں کے مقابلے میں زیادہ عام تھی اور بعد میں مشائخ

تصوف نے ہر زمانے میں اس کو پورے طور پر زندہ رکھا اور اسلامی معاشرے میں اس کو عام کرنے کے لئے کوشاں رہے۔ بادشاہوں کے درباروں سے لے کر ایک فاقہ مست مسلمان کی جھونپڑی تک یہ دولت عام کرتے رہے۔ سلف میں فقر و زہد کی دولت کس قدر عام تھی اس کا اندازہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی کتاب الزہد اور اسی طرح امام ابوبکر (المعروف ابن ابی الدنیا) کی کتاب الزہد سے لگایا جا سکتا ہے یہ دونوں تیسری صدی ہجری کے بزرگ ہیں انہوں نے صحابہ و تابعین سے لے کر اپنے زمانے تک سلف کے اقوال اور احوال ان کتابوں میں جمع کئے ہیں جس سے زہد و فقر کے ایسے ایسے نمونے سامنے آتے ہیں کہ آج کا مادیت زدہ معاشرہ اور دنیا کی فانی زندگی پر ہی ریجھ جانے والا مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا لیکن ہے یہ بہر حال ہمارا ہی بھولا ہوا سبق اور آج بھی ہماری ساری مصنوعی پریشانیوں کا علاج اسی زہد و فقر والے طرز زندگی کی طرف لوٹ کر جانے میں ہے ہم اس دنیا میں مگن ہو کر بہت ہی دور نکل چکے ہیں۔

ملاحظہ ہو مشتے نمونہ از خروارے ...... امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنی سند سے (جو کتاب الزہد میں پوری لکھی ہوئی ہے) نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رویا کرو (اللہ تعالیٰ کی محبت و عظمت اور موت کے بعد پیش آنے والے مشکل مرحلوں کی ہولناکی سے) اگر رونا نہیں آتا تو رونے والوں کی صورت ہی بنا لیا کرو۔ دوسری سند سے نقل فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک موقعہ پر فرمایا کاش میں مومن آدمی کے پہلو کا ایک بال ہوتا (جس کو حساب کتاب کا ڈر نہیں)

ایک اور سند سے نقل فرمایا کہ ایک صحابی حضرت اسلم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس حال میں دیکھا کہ اپنی زبان کو ہاتھ سے پکڑا ہوا تھا اور فرما رہے تھے کہ یہ مجھے ہلاکت کی گھاٹی میں لے جانا چاہتی ہے (اندازہ لگائیں نفس کی نگرانی اور کسی عضو کی بے اعتدالی پر احتساب کے اہتمام کی، آخر سوچا جائے جھوٹ، غیبت، چغلی، گالی گلوچ، بیہودہ گوئی وغیرہ کتنے گناہ ہیں جو زبان سے متعلق ہیں اور بہت سے لوگوں کے رات دن کا مشغلہ ہی یہ گناہ ہیں اور کبھی گناہ ہونے کا کھٹکا بھی ان کو نہیں گذرتا، اللہ اکبر مسلمان اتنا بھی غافل ہو جاتا ہے جب وہ نفس کو بے لگام چھوڑتا ہے)

ایک اور سند سے نقل فرمایا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مرض الوفات شروع ہوا تو اپنی بیٹی ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرے یہ دو کپڑے (جو استعمال میں تھے) دھو کر انہیں میں مجھے کفن دیدینا اس لئے کہ نئے کپڑوں کے زندہ لوگ میت سے زیادہ محتاج ہیں (کتاب الزہد لابن حنبل

باب زہد ابی بکر علیہ السلام)

ابن ابی دنیا کتاب الزہد میں اپنی سند سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے خطبے میں فرمایا کرتے تھے کہاں گئے وہ حسین وجمیل چہروں والے جنہیں اپنی جوانی وصحت پر ناز تھا؟ کہاں ہیں وہ بادشاہ جنھوں نے بڑے بڑے شہر آباد کئے اور انہیں دیواروں کے ذریعے قلعوں کی طرح محفوظ کردیا؟ وہ لوگ کہاں گئے جو ہمیشہ میدان جنگ میں غالب رہتے تھے؟ حوادثات زمانہ نے انہیں مٹا کر رکھ دیا چنانچہ وہ سب کے سب قبر کی تاریکیوں میں جا بسے، جلدی کرو، جلدی کرو، نجات حاصل کرو، نجات حاصل کرو(کتاب الزہد مترجم ص ٦٩) ایک اور سند سے خلیفہ وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایک سفر کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک سیاہی مائل اونٹ پر سوار ہو کر مقام جابیہ تشریف لے گئے ننگے سر ہونے کی وجہ سے دھوپ کی تمازت سے سر چمک رہا تھا، رکاب نہ ہونے کی وجہ سے پاؤں مبارک کجاوے کے دونوں طرف لٹک رہے تھے اور ایک ادنی چادر زین کے طور پر اونٹ پر ڈالی ہوئی تھی پڑاؤ کے وقت وہی چادر بستر بن جاتی ایک تھیلا جس میں کھجور کی چھال بھری تھی سفر کے دوران تھیلے کے طور پر اور پڑاؤ کے وقت تکیہ کے طور پر استعمال میں تھا، ایک سوتی کرتہ جو میلا کچیلا ہو چکا تھا پہنے ہوئے تھے جو کہ کئی جگہ سے پھٹ بھی چکا تھا، فرمانے لگے یہاں (مقام جابیہ) کے امیر کو بلاؤ، آنے پر فرمایا کہ میرا کرتہ دھلوا دو اور اسے پیوند بھی لگا دو اور عاریۃً مجھے کوئی کرتہ یا کپڑا جسم ڈھانپنے کے لئے دے دو کتان کپڑے کی ایک قمیص پیش کی گئی تو فرمایا یہ کیا ہے بتایا گیا کتان ہے فرمایا کتان کیا چیز ہے لوگوں نے بتا دیا تب آپ نے اپنا کرتہ اتار کر وہ پہن لیا جب اپنا کرتہ دھل کر پیوند لگ کر آ گیا تو وہ پہن لیا اور یہ کرتہ واپس کر دیا الخ (ایضاً ص ۹۳)

(جاری ہے............)

Idara Ghufran

پیارے بچّو! مفتی ابو ریحان

ملک وملت کے مستقبل کی عمارت گری وتربیت سازی پر مشتمل سلسلہ

عید کیا ہے؟

پیارے بچو! ہر مذہب میں سال کے کچھ دن ایسے ہوتے ہیں جس میں ہر مذہب والے خوشی مناتے ہیں اور مختلف طریقوں سے خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔

ہر انسان کے دل میں یہ تقاضا ہوتا ہے کہ کبھی کبھی سال کے کچھ دنوں میں خوشی کا سماں پیدا ہونا چاہئے، جس میں وہ خود تنہا نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ دوسرے لوگ بھی شریک ہوں، کیونکہ جب خوشی میں دوسرے لوگ بھی شریک ہوتے ہیں تو اس سے خوشی کا مزہ دوبالا ہو جاتا ہے۔

لیکن بچو اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خوشی کے دن زیادہ نہیں ہونے چاہئیں بلکہ تھوڑے ہونے چاہئیں، کیونکہ جب خوشی کے موقعے کثرت سے پیش آتے ہیں تو خوشی کا سماں کمزور پڑ جاتا ہے اور اگر کبھی کبھی اور کم وقت کے لئے خوشی آتی ہے تو اس میں خوشی اور مزہ کا سماں خوب قائم ہوتا ہے، تو مسلمانوں کا مذہب ہی دنیا میں تنہا ایسا ہے جو خالص صحیح اور سچا مذہب ہے اور وہ انسانوں کی چھیڑ چھاڑ سے محفوظ ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا اسی حالت پر آج تک موجود ہے۔

بچو! انسان میں خوشی کا جذبہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے، لیکن اس جذبہ کا صحیح صحیح اور ٹھیک ٹھیک استعمال کیا جائے تو خیر ہی خیر ہوتی ہے۔

اور اگر اس جذبہ کا استعمال غلط طریقہ پر کیا جائے پھر یہی جذبہ انسان کی دنیا اور آخرت کو خراب کر دیتا ہے، دنیا کے جتنے بھی مذہب ہیں ان میں خوشی کے جذبہ کے استعمال کا صحیح طریقہ موجود نہیں ہے، اس لیے ان کے یہاں خوشی کے جذبہ کے نام پر ایسے ایسے کام اور ایسی ایسی حرکتیں ہوتی ہیں جو انسانی تہذیب کے بالکل خلاف ہوتی ہیں بلکہ کئی مرتبہ وہ حرکتیں جانوروں اور حیوانوں والی بن جاتی ہیں۔

مگر ہمارے اسلامی مذہب میں خوشی کے جذبہ کے استعمال کا جو طریقہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے بتلایا ہے وہ صحیح انسانی تہذیب کے مطابق ہے اور جانوروں اور حیوانوں والی حرکتوں سے بالکل پاک اور صاف ہے۔

Idara Ghufran

ہمارے مذہب میں سال بھر میں دو موقعوں پر خوشی کے جذبات پورے کرنے کے لئے تہوار رکھے گئے ہیں، یہ اسلامی تہوار ہیں جو دوسرے مذہب والوں کی گندی اور بُری حرکتوں سے پاک صاف ہیں، اور ان میں نشہ، شراب، موسیقی، گانے بجانے اور دوسرے گناہ کے کاموں کا کوئی تصور نہیں، جیسا کہ ہندوؤں کے یہاں ہولی کے تہوار میں خوب شراب پی جاتی ہے، اور ایک دوسرے پر رنگ ڈال کر گندا کیا جاتا ہے، عیسائیوں کے یہاں گانے بجانے اور بے حیائی وغیرہ جیسی سخت گندی حرکتیں ہوتی ہیں، مگر اسلام تہوار میں ایسی کوئی گندی چیز نہیں ہے۔

ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ شہر سے جب ہجرت فرما کر مدینہ شہر تشریف لائے تو مدینے کے لوگ (جن میں بہت سے لوگ پہلے ہی سے اسلام لا چکے تھے) دو تہوار منایا کرتے تھے، اور ان میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔

ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ یہ دو دن جو تم مناتے ہو ان کی کیا حقیقت ہے؟ (یعنی تمہارے ان تہواروں کی بنیاد کیا ہے؟)

انھوں نے جواب میں کہا کہ ہم اسلام لانے سے پہلے یہ تہوار اسی طرح منایا کرتے تھے (بس وہی رواج اب تک چل رہا ہے)

یہ سن کر ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اِن دو تہواروں کے بدلے میں اِن سے بہتر دو دن دے دیئے ہیں، ایک عید الاضحیٰ یعنی بڑی عید کا دن، دوسرا عید الفطر یعنی چھوٹی عید کا دن۔

اس سے پتہ چلا کہ ہمارے مذہبی تہوار دوسرے مذہب والوں سے اچھے ہیں اور ہمارے مذہبی تہوار انسانوں کے اپنے بنائے ہوئے نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیئے ہیں، اس لئے ہمارے مذہبی تہواروں میں دوسرے مذہبوں کی طرح غلط کام نہیں ہوتے بلکہ سارے اچھے کام ہوتے ہیں۔

بچو! چھوٹی عید کا دن رمضان کا مبارک مہینہ ختم ہوتے ہی آ جاتا ہے، شام کو جونہی عید کے چاند کا اعلان ہوتا ہے، تو سب مسلمانوں کے دلوں میں خوشی کا ایک عجیب سماں پیدا ہو جاتا ہے اور دل باغ باغ ہو جاتے ہیں۔

بچو! عید کا دن مسلمانوں کے لئے کئی طرح سے خوشی اور انعام کا دن ہوتا ہے۔

ایک تو اس طرح سے کہ پورے مہینہ روزے رکھتے رہنے کے بعد یہ پہلا دن ہوتا ہے جس میں روزے کی پابندی نہیں ہوتی اور کھانے پینے کی اجازت ہوتی ہے۔

دوسرے اس طرح سے کہ مسلمان رمضان کے پورے مہینے کے روزے رکھ کر جو نیکیاں جمع کرتے ہیں، اس دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی اور رحمت اور بخشش کا انعام دیتے ہیں۔

تیسرے اس طرح سے کہ اس دن مسلمان اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں اور یہ بات مسلمانوں کے لئے بڑے اعزاز کی بات ہے۔

چوتھے اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کا بابرکت مہینہ ہم کو اپنی زندگی میں نصیب فرمادیا، عید اس کے شکرانہ کا دن ہے۔

بچو! عید کے دن سب سے اہم اور ضروری چیز عید کی نماز ہے، جو مرد حضرات کو پڑھنا ضروری ہے، عورتوں پر ضروری نہیں، اسی طرح چھوٹے بچوں اور بیماروں پر بھی ضروری نہیں، عید کی نماز عام نمازوں سے مختلف طریقہ پر پڑھی جاتی ہے کیونکہ یہ ایسے دن کی نماز ہے جو دوسرے دنوں سے مختلف ہے، عید کی نماز بڑی مبارک نماز ہے جو عید کے علاوہ دوسرے دنوں میں نہیں ملتی، اس لیے ہمیں چاہئے کہ عید کے دن عید کی نماز ضرور پڑھیں اور بڑے احترام سے پڑھیں، نماز کے دوران ہنسی مذاق اور کھیل کود سے بچیں اور نماز سے فارغ ہو کر عید کا خطبہ بھی سنیں کیونکہ اس کا سننا بھی بہت بڑا ثواب کا کام ہے۔

بچو! عید کے دن اچھے کپڑے پہننا بھی عبادت اور ثواب کا کام ہے کیونکہ جب اس دن ہم سب اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے مہمان اچھے کپڑوں میں بنیں لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے کپڑے پہنیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی کے مہمان بننے کی وجہ سے اچھے کپڑے پہنے جاتے ہیں اور جو کپڑے اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہوں ان کو پہن کر اللہ کا مہمان بننا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غصہ کا ذریعہ ہے، اس لیے ہمیں چاہئے کہ ہم عید کے دن اچھے اور ایسے کپڑے پہنیں جو اسلامی شان اور اسلامی طرز کے ہوں، کافروں کے طرز کے نہ ہوں، جو بچے عید کے دن شلوار قمیض کے بجائے پینٹ، شرٹ وغیرہ پہنتے ہیں وہ اس دن کا صحیح حق ادا نہیں کرتے۔

بچو! عید کا دن بے شک کھانے پینے کا دن ہوتا ہے لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ کھانے پینے سے بھی اسی وقت تک فائدہ ہوتا ہے جب تک کھانا پینا ایک حد تک ہو، اگر حد سے زیادہ کھانا پینا کیا جائے

تو اس سے فائدہ نہیں ہوتا بلکہ نقصان ہوجاتا ہے، پیٹ خراب ہوجاتا ہے، صحت بگڑ جاتی ہے اور ضروری نہیں کہ اس کا نقصان فوراً عید کے دن ہی ظاہر ہو بلکہ کئی چیزوں کا نقصان بعد میں محسوس ہوا کرتا ہے، اس کے علاوہ بازار کی اول فول چیزیں ویسے ہی صحت کے لئے سخت خطرناک اور نقصان دہ ہیں مگر بچے عید کے دن بازار کی یہ چیزیں بہت زیادہ کھاتے ہیں اور ان چیزوں میں بہت زیادہ پیسے برباد کردیتے ہیں یعنی صحت بھی برباد ہوتی ہے اور پیسے بھی برباد ہوتے ہیں، اگر بچے ان پیسوں کو اپنے ماں باپ کے پاس یا کسی بھی بڑے کے پاس محفوظ رکھوادیں اور ضرورت پڑنے پر اچھے اچھے کاموں میں خرچ کریں تو کتنا اچھا ہو؟

بچو! عید کے دن تو تقریباً ہر مسلمان کے گھر میں اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اچھے کھانے تیار ہوتے ہی ہیں، اگر تم بھی بازاری چیزوں کے بجائے ان ہی کھانوں کھالو تو تمہارے پیسے بھی بچ جائیں اور صحت کو بھی نقصان نہ پہنچے۔

مگر بہت سے بچے اُلٹے ہی چلتے ہیں، گھر میں تیار کئے ہوئے اچھے اور صاف ستھرے کھانے تو کھاتے نہیں اور بازار کی اول فول چیزیں کھا کر اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں، جس کی وجہ سے گھر کے کھانے کھانے کی پیٹ میں جگہ ہی باقی نہیں رہتی۔ یہ حرکت اچھی نہیں، اس لیے تم عید کے دن ایسی حرکت کرنے سے بچو۔

بچو! اگر عید کے دن کوئی تمہیں عیدی کے نام سے پیسے دے تو اس کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے، عیدی لینا دینا کوئی ضروری چیز نہیں بلکہ یہ تو بڑوں کی طرف سے چھوٹوں کا دل خوش کرنے کا ایک بہانہ ہوتا ہے، اس لیے اگر تمہیں کوئی عیدی نہ دے تو تم اس کا برا نہ مناؤ اور نہ ہی دوسرے سے عیدی کے نام سے پیسے مانگو، پیسے مانگنے کی عادت اچھی نہیں ہوتی، اچھے بچے پیسے نہیں مانگا کرتے، بلکہ اگر دوسرے پیسے دیتے ہیں تو ان کو لینے سے بھی منع کردیتے ہیں، مگر جب دوسرا دینے پر اصرار کررہا ہو یا بڑے کہہ رہے ہوں تو لے لیتے ہیں۔

بچو! عید کے دن غلط، برے اور گناہ کے کاموں سے بچنے کی زیادہ ضرورت ہے، کیونکہ یہ پہلے بتلایا جاچکا ہے کہ یہ اللہ کے بندوں کے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہونے کا دن ہے، اس لئے جس دن بندے اللہ کے مہمان ہوں اس دن اللہ تعالیٰ کا مہمان بن کر کوئی غلط اور برا کام کرنا یا کسی گناہ کے کام کو کرنا ظاہر ہے کہ کسی طرح بھی صحیح نہیں۔

بچو! اگر تم سمجھدار ہوگئے ہو تو عید کے دن پانچ وقت کی نماز کی بھی پابندی کرنی چاہئے، کیونکہ نماز سے برکت ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں اور اللہ کا مہمان بن کر نماز پڑھنے سے مہمانی کا حق اچھی

طرح ادا ہوتا ہے۔

بچو! تمہیں ایک چیز کی طرف اور توجہ دلانی ہے، وہ یہ ہے کہ آج کل عید کارڈ ایک دوسرے کی طرف بھیجنے کا سلسلہ بھی بچوں میں بہت بڑھ گیا ہے، جس میں شعروشاعری بھی ہوتی ہے۔

یہ عید کارڈ ہمارے مذہب کے مطابق نہیں ہیں بلکہ یہ ہمارے مذہب کے خلاف ہیں، دسرے مذہب سے ہمارے لوگوں میں یہ رسم آ گئی ہے، ایک تو اس میں پیسہ کو فضول برباد کرنا ہے، دوسرے بعض کارڈوں میں انسانوں یا جانوروں کی تصویریں بھی ہوتی ہیں جو کہ گناہ ہیں، تیسرے غلط انداز کے شعر لکھے جاتے ہیں، اور بھی اس طرح کی کئی برائیاں عید کارڈ میں موجود ہیں، اس لئے عید کارڈ کی رسم سے بچنا چاہئے۔

آخری عشرے کا سنت اعتکاف

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں (بیسویں روزہ کے دن سورج غروب ہونے سے لے کر عید کا چاند نظر آنے تک) جو اعتکاف کیا جاتا ہے یہ مسنون اعتکاف کہلاتا ہے، مسنون اعتکاف کی دل میں اتنی نیت کر لینا کافی ہے کہ ’’میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے رمضان کے آخری عشرہ کا مسنون اعتکاف کرتا ہوں‘‘ (عالمگیری) مسنون اعتکاف کی نیت بیس تاریخ کے غروب سے پہلے کر لینی چاہئے۔ مسنون اعتکاف صحیح ہونے کے لئے روزہ ضروری ہے اگر کوئی اعتکاف کے دوران کوئی ایک روزہ نہ رکھ سکے یا اس کا روزہ کسی وجہ سے ٹوٹ جائے تو مسنون اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

عید کی مبارک باد

عید کی مبارک باد دینا (تحریری ہو یا زبانی یا بذریعہ فون) اگر تمام خرابیوں سے خالی ہو نہ اس کو فرض، واجب یا سنت سمجھا جائے اور نہ اس کے ساتھ فرض، واجب یا سنت والا معاملہ کیا جائے اور جو اس کا اہتمام نہ کرے اس کو برا بھلا اور معیوب نہ کہا و سمجھا جائے۔ اور جب ملاقات ہو تو پہلے باقاعدہ مسنون سلام کیا جائے۔ اس کے بعد عید مبارک ہو یا اس جیسا کوئی لفظ کہہ دیا جائے تو جائز اور دعا ہونے کی بناء پر ثواب ہے لیکن اگر اس میں حد سے تجاوز کیا جائے مثلاً سنت سمجھا جائے یا فرض وواجب کی طرح اس کو ضروری سمجھا جائے، اور مبارک باد نہ دینے والے کو معیوب سمجھا جائے تو پھر مکروہ وممنوع ہے۔

Idara Ghufran

بزمِ خواتین مفتی ابوشعیب

خواتین سے متعلق بنیادی شرعی احکام اور اصلاحی مضامین کا سلسلہ

خواتین اور اعتکاف وعید الفطر

معزز خواتین! جس طرح رمضان المبارک کے مہینے کو باقی تمام مہینوں پر خصوصی فضیلت حاصل ہے اور حضور اقدس ﷺ سے اس ماہ میں باقی مہینوں کی بنسبت عباداتِ خداوندی میں زیادہ محنت ومجاہدہ کرنا مروی ہے (مسلم) اسی طرح رمضان کے آخری عشرے کو پہلے دوعشروں پر خصوصی فضیلت حاصل ہے، اور حضور اقدس ﷺ سے اس عشرے میں پہلے دونوں عشروں کے مقابلے میں عباداتِ خداوندی میں زیادہ محنت ومجاہدہ کرنا منقول ہے (مسلم)

اب چونکہ رمضان کے آخری عشرے کی آمد آمد ہے اس لئے اس عشرے کی رحمتوں اور برکتوں سے پوری طرح مستفید ہونے کے لئے مستعد ہوجانا چاہئے، رمضان کے اخیر عشرے کی ایک خاص عبادت اعتکاف ہے، دیگر عبادات کی طرح اعتکاف کے بھی اپنے فضائل ومسائل ہیں، چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے ایمان کی حالت میں ثواب حاصل کرنے کے ارادے سے اعتکاف کیا اس کے پچھلے (صغیرہ) گناہ معاف ہوجائیں گے (جامع صغیر ص ۵۱۶، رقم الحدیث ۸۴۸۰، بحوالہ مسند فردوس للدیلمی)

فائدہ: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کی برکت سے انسان کے گذشتہ صغیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں جو بڑی فضیلت کی بات ہے لیکن اس فضیلت کے حصول کے لئے اسی حدیث میں دوشرطیں بھی ذکر کی گئی ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ یہ اعتکاف ایمان کی حالت میں کیا گیا ہو لہٰذا اگر کوئی انسان حالتِ کفر میں اعتکاف کرے یا کوئی بھی نیک عمل کرے تو اسے اس نیک عمل کی آخرت میں کوئی جزا نہیں ملے گی، اس لئے کہ نیک اعمال کی قبولیت کے لئے ایمان بنیادی شرط ہے، دوسری شرط یہ بتائی گئی ہے کہ اعتکاف سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہو، لہٰذا اگر کوئی انسان ایمان کی حالت میں اعتکاف یا کوئی بھی نیک عمل کرے لیکن اس کا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا نہ ہو بلکہ لوگوں کو دکھانا، شہرت حاصل کرنا، یا لوگوں کی نگاہ میں اپنا نیک ہونا

ظاہر کرنا ہو یا کوئی اور فاسد غرض ہو تو ایسی صورت میں نہ صرف یہ کہ وہ نیک عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہ ہوگا اور اس پر قرآن حدیث میں بیان کردہ فضائل کا حصول نہ ہوگا بلکہ وہ عمل کرنے والے کے لئے آخرت میں وبال کا باعث ہوگا، اس لئے احادیث میں بیان کردہ اعتکاف کے فضائل حاصل کرنے کے لئے ان شرائط پر پورا اترنا بھی ضروری ہے جو مختلف احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے: جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ایک دن کا اعتکاف کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقوں کو آڑ بنا دیں گے، جن کی مسافت آسمان و زمین کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ چوڑی ہوگی (طبرانی فی الکبیر، حاکم، بیہقی فی السنن، کنز العمال ج ۸ ص ۵۳۲)

اس حدیث شریف میں بھی اعتکاف کی فضیلت ارشاد فرمانے کے ساتھ ساتھ اس کے حصول کی بنیادی شرط یعنی اخلاص کو بھی ساتھ ہی ذکر فرما دیا گیا ہے جس سے اعتکاف کرنے والوں کو اپنی نیتوں کا جائزہ لینے کی اہمیت بھی جتلا دی گئی، یہ تو عام اعتکاف کی فضیلت کا بیان تھا۔ بعض احادیث میں رمضان کے اخیر عشرہ کے اعتکاف کی فضیلت خصوصیت کے ساتھ ارشاد فرمائی گئی ہے مثلاً ایک حدیث میں ہے: رمضان کے دس دن کا اعتکاف دو حج اور دو عمروں جیسا ہے'' (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۷۳)

اس کے علاوہ بھی متعدد احادیث میں اعتکاف کے فضائل و مسائل کو مختلف عنوانات سے بیان کیا گیا ہے۔

اعتکاف کے فضائل مردوں کی طرح عورتیں بھی گھروں میں اعتکاف کر کے حاصل کر سکتی ہیں، جیسا کہ بعض احادیث سے ازواجِ مطہرات کے اعتکاف کرنے کا ثبوت ملتا ہے، چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دے دی، پھر آپ کے بعد آپ کی ازواجِ مطہرات اعتکاف فرماتی رہیں (بخاری، مسلم، ترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے وصال فرما جانے کے بعد بھی آپ کی بیویوں نے اعتکاف کا اہتمام کیا جس سے خواتین کے لئے بھی اعتکاف کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، اس لئے جن خواتین کو کوئی عذر نہ ہو انہیں اعتکاف کا اہتمام ضرور کر لینا چاہئے کیونکہ یہ عبادت بذاتِ خود بھی بہت آسان ہے، اور عورتوں کے لئے مردوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ آسان ہے، پھر اس کے اور بھی متعدد فوائد ہیں، مثلاً یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے فراغت نصیب ہونا، متعدد گناہوں سے کافی حد تک محفوظ رہنا، شبِ قدر کی فضیلت حاصل کرنے کا بہترین موقع ملنا وغیرہ وغیرہ۔

گوکہ اعتکاف کرنا ہر عورت پر فرض واجب کی طرح ضروری نہیں ہے لیکن عبادات کا شوق اور نیکیوں کی حرص کا تقاضا یہی ہے کہ کوئی عذر نہ ہو تو اعتکاف کا اہتمام ضرور کرلیا جائے، لیکن آجکل چونکہ خواتین کو عبادت کے بجائے آرام طلبی، راحت اور فضولیات کا شوق ہے اور نیکیوں کی حرص کے بجائے مال و دولت اور سونے چاندی، نت نئے کپڑوں، جوتوں اور برتنوں کی حرص ہے، اس لئے گنی چنی چند ایک خواتین کے سوا اکثر و بیشتر خواتین کو نہ عبادت کا شوق، نہ تلاوت کی حرص، نہ ذکر کی رغبت اور نہ دعا و استغفار کا دھیان اور اعتکاف کرنے کی تو ایسی خواتین کے دل میں شاید خواہش اور تمنا ہی نہیں ہوتی ہوگی، یہ تو اکثر خواتین کی حالت ہے اور جو چند ایک خواتین اعتکاف کرتی ہیں ان کے اعتکاف میں بھی مسائل سے لاعلمی عام ہونے کی وجہ سے متعدد خرابیاں پائی جاتی ہیں، چنانچہ بعض کا اعتکاف تو پورا ہی نہیں ہوتا، بلکہ کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتی ہیں کہ اعتکاف ٹوٹ کر اس کی قضا لازم ہو جاتی ہے لیکن لاعلمی کی وجہ سے برسوں تلک نہ اعتکاف ٹوٹنے کا پتہ نہ قضا لازم ہونے کا پتہ نہ اس طرف دھیان کہ مسئلہ پوچھ لیں، اور بعض صورتوں میں گو اعتکاف فاسد نہیں ہوتا اور نہ قضا لازم آتی ہے لیکن اعتکاف مکروہ ہو کر ثواب کم ہو جاتا ہے، جیسے دورانِ اعتکاف مختلف گناہوں میں مبتلا ہونا مثلاً جھوٹ، غیبت، چغلی، گالی گلوچ، بے جا غصہ کا اظہار، دوسروں کو حقیر سمجھنا، اپنے آپ کو نیک اور پارسا خیال کرنا، اپنی عبادت پر ناز کرنا، اور فخریہ انداز میں بیان کرنا، گانا بجانا سننا، ٹی وی دیکھنا، تصویریں دیکھنا، ناول ڈائجسٹ پڑھنا، غیر محرم سے بلا حجاب آمنا سامنا کرنا، لڑنا لڑانا، جھوٹی قسمیں کھانا، بہتان لگانا، کسی کو ناحق تکلیف پہچانا، کسی کے عیب تلاش کرنا، کسی کو رسوا کرنا وغیرہ وغیرہ، ان میں اکثر کبیرہ گناہ ہیں، جو ویسے بھی حرام اور ناجائز ہیں، لیکن رمضان کے مہینہ میں اور روزے و اعتکاف کی حالت میں ان گناہوں میں مزید شدت آجاتی ہے، اس لئے ان گناہوں سے بچنے کا بھرپور اہتمام کیا جائے تاکہ روزہ و اعتکاف مکروہ نہ ہو۔

اور بعض خواتین چند اور خرابیوں میں مبتلا ہو کر ''نیکی برباد گناہ لازم'' کا مصداق بن جاتی ہیں مثلاً اگر اعتکاف کے اختتام پر کوئی ان کو بطورِ خاص ملنے نہ آئے، یا مبارکباد پیش نہ کرے یا نقدی، کپڑوں، جوتوں اور مٹھائی وغیرہ کسی صورت میں کوئی تحفہ پیش نہ کرے تو اس کو نیچا دکھانے اور ذلیل و رسوا کرنے کی کوشش کرتی ہیں، دل دُکھانے والی باتیں کرتی ہیں، یا اس کی غیبت میں مبتلا ہو جاتی ہیں، یا کم از کم دل میں اس کو حقیر سمجھ کر اس سے نفرت کرنے لگتی ہیں، وغیرہ وغیرہ، اس طرح کی رسمی باتوں میں مبتلا ہو کر اپنی دس روزہ

محنت کا خون کرتی ہیں، ایسی باتوں سے پرہیز کرنا بھی سخت ضروری ہے۔

اعتکاف کی عبادت جس رات میں ختم ہوتی ہے وہ عیدالفطر کی رات ہوتی ہے، جس کو حدیث شریف میں ''لیلۃ الجائزۃ'' یعنی انعام کی رات فرمایا گیا ہے، اس رات کی بھی خصوصی فضیلت احادیث میں ارشاد فرمائی گئی ہے، چنانچہ ایک حدیث شریف میں ارشاد ہے: جس شخص نے دونوں عیدوں (عیدالفطر اور عید الاضحیٰ) کی راتوں کو ثواب کا یقین رکھتے ہوئے زندہ رکھا (عبادت میں مشغول اور گناہ سے بچا رہا) تو اس کا دل اس (قیامت کے ہولناک اور دہشت ناک) دن نہ مرے گا جس دن لوگوں کے دل (خوف وہراس اور دہشت وگھبراہٹ کی وجہ سے) مردہ ہو جائیں گے (ابن ماجہ)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا پانچ راتیں ایسی ہیں جن میں دعا رد نہیں کی جاتی، اور وہ جمعہ کی رات، رجب کی پہلی رات، شعبان کی نصف شب اور عیدین کی دونوں راتیں ہیں (عبد الرزاق، بیہقی فی شعب الایمان، فضائل الاوقات)

اس لئے یہ رات بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت مثلاً نوافل، ذکر، تلاوت، دعا واستغفار وغیرہ میں مشغول رہنے اور گناہوں سے خاص اہتمام کے ساتھ بچنے کی ہے، اگر زیادہ عبادت کی توفیق اور ہمت نہ ہو سکے تو کم از کم عشاء اور فجر کی نماز اپنے اپنے وقت پر پڑھ لی جائے اور درمیان میں کوئی گناہ نہ کیا جائے۔

عید کی رات بڑی اہم اور فضیلت والی رات ہے، مگر افسوس کہ آج کل عام طور پر مردوں کی طرح عورتوں نے بھی اپنے آپ کو ان سب فضیلتوں سے محروم کیا ہوا ہے اور نہ صرف محروم کیا ہوا ہے بلکہ اس مبارک رات کو طرح طرح کی لغویات، فضولیات، سیر وتفریح، گانے بجانے، بے پردگی وبدنظری وغیرہ جیسی خرافات کی نذر کر کے ''نیکی برباد گناہ لازم'' کا مصداق کیا ہوا ہے، چنانچہ بہت ساری خواتین کو تو سرے سے عید رات کی فضیلت وعظمت کا علم ہی نہیں ہے، بلکہ یہ ایک عمومی فضا بنی ہوئی ہے کہ عید کا چاند دکھائی دیتے ہی یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ بس اب عبادت کا مہینہ ختم ہوا، اب آزادی سے جو چاہیں کریں اور اسی وجہ سے کافی ساری خواتین مختلف بہانوں سے گھروں سے نکل پڑتی ہیں، بعض خواتین اپنی اڑوس پڑوس، اعزہ واقرباء، سہیلیوں اور جاننے والیوں کے ہاں مبارک باد دینے کے بہانے نکلتی ہیں، اور بعض خواتین اعتکاف کرنے والی خواتین کو ملنے اور مبارکباد دینے کے بہانے سے نکلتی ہیں، اور بعض خواتین بازاروں میں شاپنگ (خریداری) کا بہانہ کر کے نکلتی ہیں، اور بعض خواتین محض گھومنے پھرنے ہی کی خاطر گلیوں

اورسڑکوں پر مٹرگشت شروع کردیتی ہیں، حالانکہ ان میں سے کوئی کام بھی ایسا نہیں جو نہ کرنے سے کوئی دینی یا دنیوی نقصان ہوجائے، مگر رسم کی دلدادہ خواتین کے دماغ میں یہ بات آنا مشکل ہے، انہوں نے بہرحال رسمیں پوری کرنی ہیں، خواہ اللہ رسول ناراض ہوں یا کچھ ہو اور پھر طرہ یہ کہ ان میں سے اکثر خواتین بے پردہ اور بعض نیم عریاں ہوتی ہیں، جو علاوہ اپنی ذات میں گناہ ہونے کے بہت سارے مردوں کے بہکانے کا سبب بھی ہے، اس لئے خواتین کو چاہئے کہ خود ہی اپنے اعمال کا جائزہ لے کر اصلاح کی کوشش کریں کہ ع ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

اسی طرح عیدالفطر کے دن جسے حدیث شریف میں یوم الجائزہ یعنی انعام کا دن کہا جاتا ہے یہ دن بھی اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہنے اور گناہوں سے خصوصی اہتمام کے ساتھ بچنے کا ہوتا ہے، لیکن عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ مردوں کی طرح خواتین بھی اس دن متعدد شرعی احکام کی خلاف ورزی کی مرتکب ہوتی ہیں جو اس عظیم دن کی بڑی ناقدری ہے جس سے عجب نہیں کہ بجائے انعام پانے کے ایسے مرد و خواتین سزا کے مستحق ہوجائیں، اس لئے عیدالفطر کے دن بھی ہر قسم کے گناہوں اور رسومات و بدعات سے بچنے کی کوشش اور اہتمام ہونا چاہئے۔ واللہ الموفق

آپ کے دینی مسائل کا حل ادارہ

مروّجہ تسبیح تراویح کی شرعی حیثیت

سوال:...... کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:
نمازِ تراویح کے دوران، ہر چار رکعت کے بعد، اکثر عوام وخواص، بڑی پابندی کے ساتھ ایک دعا پڑھتے ہیں جو کہ یہ ہے:

"سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّۃِ وَالْعَظْمَۃِ والْھَیْبَۃِ وَالْقُدْرَۃِ وَالْکِبْرِیَآءِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَنَامُ وَلَا یَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَاوَرَبُّ الْمَلَائِکَۃِ وَالرُّوْحِ .اَللّٰھُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ، یَامُجِیْرُیَامُجِیْرُیَامُجِیْرُ"

اوراس کو "تسبیح تراویح" کا نام دیتے ہیں، کیا اس کا تسبیح تراویح ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟ اور کیا یہ واقعی تراویح کی تسبیح ہے اور تراویح کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ عوام الناس کا عقیدہ ہے، نیز اس کو اہتمام کے ساتھ قیمتی کارڈوں پر شائع کرنا اور اس کی تبلیغ کرنا اور اس کو محراب اور قبلے کی سمت والی دیوار میں چسپاں کرنا اور نماز کے دوران بھی لوگوں کا اس کو ضروری سمجھنے کی وجہ سے یاد کرتے رہنا شرعاً کیا حیثیت رکھتا ہے؟

مدلّل انداز میں اس کی شرعی حیثیت واضح فرمائیں؟

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

جواب:...... تراویح کی نماز میں ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر (تاکہ لوگوں کو بار بھی نہ ہو) وقفہ اور انتظار مستحب ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی یہ وقفہ ہوتا تھا (بیھقی باسناد صحیح، فتح القدیر ج ۱ ص ۴۰۸ فی قیام رمضان)

اس وقفہ کے دورانیہ میں اعتدال رکھنا چاہئے نہ تو اتنا لمبا ہو کہ طبیعت پر بار ہو اور نہ ہی برائے نام ہونا چاہئے کہ کچھ مہلت ہی نہ مل سکے۔

Idara Ghufran

اگر کوئی یہ وقفہ بالکل نہ کرے تب بھی گناہ نہیں (لِاَنَّـهٗ خِلَافُ الْاَوْلٰی) لیکن اس کو چھوڑنے کی عادت بنالینا اچھا نہیں۔

اور باجماعت تراویح پڑھنے کی صورت میں اس وقفہ کے دوران امام صاحب اور مقتدیوں سب کو اختیار ہے کہ خواہ خاموش بیٹھے رہیں، یا اپنے اپنے طور پر ذکر واذکار، تسبیحات، درود شریف، دعا یا نماز وغیرہ میں مشغول رہیں۔ لیکن ایک کے عمل کی وجہ سے دوسرے کو خلل واقع نہیں ہونا چاہئے لہٰذا ذکر واذکار وغیرہ آہستہ آواز میں کرنا چاہئے غرضیکہ اس وقفہ میں کسی خاص عمل کی سب کو پابندی کرنا ضروری نہیں کیونکہ درمیان میں کوئی اجتماعی عمل نہیں ہے، ہر ایک کو اپنی جگہ آزادی واختیار ہے۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ذکر واذکار، دعاء وغیرہ میں مشغول ہونا خالی اور بالکل خاموش بیٹھے رہنے سے بہتر ہے (وراجع للتفصیل امداد الاحکام ج ا ص ۶۲۲ تا ۶۲۶)

البتہ علامہ شامی نے رحمہ اللہ علامہ قہستانی رحمہ اللہ کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد تین مرتبہ درجِ ذیل کلمات پڑھ لیے جائیں:

”سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظْمَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْکِبْرِیَآءِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْحَیِّ الَّذِیْ لَایَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ وَرَبُّ الْمَلَائِکَةِ وَالرُّوْحِ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ، نَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، نَسْأَلُکَ الْجَنَّةَ، وَنَعُوْذُبِکَ مِنَ النَّارِ“ (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل جلد ۲ صفحہ ۴۶)

لیکن یاد رہے کہ مذکورہ دعا کے الفاظ مروّجہ مشہور تسبیح تراویح سے قدرے مختلف ہیں، مروّجہ مشہور تسبیح میں وَالْعَظْمَةِ کے بعد وَالْهَیْبَةِ کے الفاظ ہیں جبکہ علامہ شامی رحمہ اللہ کی نقل کردہ تسبیح میں یہ الفاظ موجود نہیں، اسی طرح اس کے بعد بھی کئی کلمات مختلف ہیں۔

اور مروّجہ مشہور تسبیح تراویح مکمل الفاظ کے ساتھ ہمیں فقہائے کرام کی کسی کتب میں دستیاب نہیں ہوسکی۔

نیز علامہ شامی رحمہ اللہ نے علامہ قہستانی کے حوالہ سے اس تسبیح کو تین مرتبہ پڑھنے کا ذکر کیا ہے، اور اس دعا کا ذکر بھی صرف ایک عالم کے حوالہ سے تحریر کیا گیا ہے، نیز اس کو تسبیح تراویح کا نام بھی نہیں دیا گیا اور یہ دعا بھی اصل مستحب عمل یعنی مطلق اور عام انتظار اور وقفہ کے مسئلہ کے ضمن میں تحریر فرمائی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اصل مستحب عمل عام وقفہ کرنا ہے۔ اور علامہ شامی وعلامہ قہستانی رحمہما اللہ نے اس کو سنت

قرار نہیں دیا، بلکہ انہوں نے اس تسبیح کو تراویح کے ساتھ خاص نہیں بھی کیا اور نہ ہی اس تسبیح کو تسبیح تراویح کا نام دیا ہے۔ لہٰذا دوسرے اوقات میں (بلکہ رمضان المبارک کے علاوہ بھی) اس تسبیح کو پڑھا جا سکتا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضور ﷺ وتروں سے فراغت کے بعد تین مرتبہ مندرجہ ذیل کلمات ادا فرماتے تھے: سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ

اسی وجہ سے بعض فقہاء نے وتروں کے بعد تین مرتبہ ان کلمات کا پڑھنا مستحب قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو: آخر میں درج عبارات نمبر۱)

مگر اوّلاً تو اس روایت میں صرف مذکورہ کلمات ہی ہیں اور مروّجہ تسبیح تراویح کے الفاظ اس سے زائد ہیں، دوسرے آپ ﷺ سے مذکورہ الفاظ بھی وتروں کے بعد پڑھنا منقول ہیں اور وتر پورے سال پڑھنا واجب ہیں جبکہ تراویح صرف رمضان میں ادا کرنا سنت ہے، لہٰذا اس مسئلہ سے مروّجہ تسبیح تراویح کا کوئی تعلق قائم نہیں کیا جا سکتا۔

بہرحال آج کل عوام میں مروّجہ تسبیح تراویح میں کئی خرابیاں شامل ہوگئی ہیں جن سے بچنا چاہئے، مثلاً:

(۱)...... بعض لوگ اس تسبیح کو خاص تراویح کی تسبیح سمجھتے ہیں اسی وجہ سے بولنے اور لکھنے میں اس کو تسبیح تراویح کا نام دیا جانے لگا ہے۔ حالانکہ اس کا تراویح کی تسبیح ہونا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں، ایک عام چیز کو خاص کر لینا غلط ہے۔

(۲)...... بعض لوگ اس وقفہ میں یہ تسبیح پڑھنا ضروری یا کم از کم سنت سمجھنے لگے ہیں۔ جبکہ یہ تسبیح نہ ضروری ہے اور نہ ہی سنت۔

(۳)...... بعض لوگ اس تسبیح کو تراویح کا حصہ سمجھتے ہیں اور اگر یہ تسبیح پڑھنے کا موقع نہ ملے تو تراویح کو بھی ضائع یا ناقص خیال کرتے ہیں، یہ بھی سراسر جہالت ہے۔

(۴)...... بعض لوگ اس تسبیح کے نہ پڑھنے والے کو معیوب سمجھتے ہیں، یہ بھی دین پر زیادتی ہے۔

(۵)...... بہت سے لوگ اس تسبیح کو بآواز بلند پڑھتے ہیں جس سے دوسرے حضرات اور مسبوق نمازیوں کو خلل ہوتا ہے۔

(۶)...... بعض لوگ اجتماعی انداز میں آواز ملا کر پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔

(۷)...... اس تسبیح کو ''تسبیح تراویح'' کا نام دے کر عوام الناس بڑے بڑے اشتہاروں اور عالیشان

Idara Ghufran

کارڈوں پر شائع کرنے اور خاص طور پر مسجدوں میں آویزاں یا چسپاں کرنے کا اتنا اہتمام کرنے اور ثواب سمجھنے لگے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں (جہالت کے اس دور میں) روزے اور رمضان کے ضروری مسائل سمجھنے اور عوام تک اس انداز میں پہنچانے کی دسویں درجہ میں بھی فکر نہیں۔

(۸)...... اس تسبیح کو عام طور پر مسجدوں میں محرابوں اور خاص قبلہ کی طرف والی دیواروں پر اس طرح آویزاں کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے نماز میں بھی خلل آتا ہے اور بہت سے لوگ اس دعا کے ضروری سمجھنے کی وجہ سے نماز کے دوران ہی اس کو زبان سے پڑھتے اور یاد کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کی وجہ سے بعض اوقات نماز بھی فاسد ہونے کا خدشہ ہے۔اور کم از کم نماز کے مکروہ ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ان تمام خرابیوں سے بچنا اور دوسروں کو بچانے کی فکر کرنا ضروری ہے۔اگر یہی محنت اور سرمایہ ایمان و یقین اور نماز روزے کے بنیادی اور اہم مسائل (تحریراً وتقریراً) سمجھنے، سمجھانے پر خرچ کیا جائے تو کتنے لوگوں کی اصلاح ہو جائے اور کتنے حضرات کی نمازیں اور روزے ضائع ہونے سے بچ جائیں۔اللہ تعالیٰ سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائیں۔

(۱) ــــــــ ویستحب ان یقول بعدوترہٖ سبحان الملک القدوس ثلاثاًویمدصوته بهافی الثالثة لما روی ابی بن کعب قال کان رسول الله ﷺ اذاسلم من الوترقال سبحان الملک القدوس هکذارواه ابوداؤد.الخ (المغنی لابن قدامه ،فصل یستحب ان یقول بعدوترہٖ سبحان الملک القدوس ثلاثاً، کتاب الصلاة)

وزادفی سننه فاذافرغ (من الوتر)قال سبحان الملک القدوس ثلاث مرات یطیل فی آخرهن (فتح القدیر،باب صلاة الوتر)

(۲) ــــــــ واماالاستراحة فی اثناء التراویح فیجلس بین کل ترویحتین مقدارترویحة ای بین کل اربع رکعات واربع رکعات مقداراربع رکعات وکذابین الآخرة والوتر ولیس المراد حقیقة الجلوس بل المراد الانتظار وهومخیر فیه ان شاء جلس ساکتاً وان شاء هلل او سبح اوقرء اوصلیٰ نافلة منفرداً وهذاالانتظار مستحب لعادة اهل الحرمین (وبعد اسطر) فکان مستحباً لان ماراٰه المؤمنون حسناً فهوعندالله حسن (حلبی کبیر ،فصل فی النوافل التراویح،صفحه ۴۰۴)

وقدقالواانهم مخیرون فی حالة الجلوس ان شاؤاسبحواوان شاؤاقرؤاالقرآن وان شاؤا صلوا أربع رکعات فرادی وان شاؤاقعدوااساکتین (بحر جلد۲ صفحه ۶۹ باب الوتر والنوافل)

ثم هم مخیرون فی حالة الجلوس ان شاؤاسبحواوان شاؤاقعدوااساکتین (فتاویٰ هندیه جلد ۱ صفحه ۱۱۵ فصل فی التراویح)

ان الامام کلماصلی ترویحة قعدبین الترویحتین قدرترویحة یسبح ویهلل ویکبرویصلی علی النبی ﷺ ویدعوووینتظر أیضاًبعدالخامسة قدرترویحة لانه متوارث من السلف واماالاستراحة بعدخمس تسلیمات فهل یستحب قال بعضهم نعم وقال بعضهم لایستحب وهوالصحیح لانه خلاف عمل السلف واللہ الموفق (البدائع الصنائع ،فصل بیان أدائها جلد ا صفحه ۲۹۰)

(فی الدر)یجلس ندباًبین کل اربعة بقدرهاوکذا بین الخامسة والوترویخیرون بین تسبیح وقراء ة وسکوت وصلاة فرادی (وفی الشامیة)قولهٗ بین تسبیح قال القهستانی فیقال ثلاث مرات "سُبُحَانَ ذِی الُمُلُکِ وَالُمَلَکُوُتِ سُبُحَانَ ذِی الُعِزَّةِ وَالُعَظُمَةِ وَالُقُدُرَةِ وَالُکِبُرِیَآءِ وَالُجَبُرُوُتِ سُبُحَانَ الُمَلِکِ الُحَيِّ الَّذِیُ لَایَمُوُتُ سُبُّوُحٌ قُدُّوُسٌ وَرَبُّ الُمَلَائِکَةِ وَالرُّوُحِ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ،نَسُتَغُفِرُاللّٰهَ ،نَسُأَلُکَ الُجَنَّةَ،وَنَعُوُذُبِکَ مِنَ النَّارِ" کمافی منهج العباد .اهٰ (ردالمحتار،باب الوتروالنوافل جلد ۲ صفحه ۴۶)فقط واللّٰہ سبحانهٗ وتعالیٰ اعلم.

محمد رضوان ـ ۲۱/شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ ـ دارالأ فتاء، ادارہ غفران، چاہ سلطان راولپنڈی

سنت اعتکاف میں کسی کام کے لئے نکلنے کی پہلے سے نیت کر لینے کا مسئلہ

بہت سے لوگوں میں یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ کے مسنون اعتکاف میں اگر کوئی شروع سے ہی بعض چیزوں کے لئے اعتکاف گاہ سے نکلنے کی نیت کر لے تو ایسی صورت میں اس کو ان امور کے لئے نکلنا جائز ہو جاتا ہے اور اس کا مسنون اعتکاف بھی درست ہو جاتا ہے۔

یہ بات درست نہیں، سنت اعتکاف میں اس طرح کی نیت کر لینے سے سنت اعتکاف ادا نہیں ہوتا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو احکام القرآن ج ۱ ص ۲۷۳، احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۵۰۹، فتاویٰ محمودیہ ج ۱۳ ص ۱۵۵، احکامِ اعتکاف ص ۴۳، آداب الاعتکاف ص ۱۱۹ و ۱۲۰، مسائل بہشتی زیور حصہ اول ص ۳۹۴)

کیا آپ جانتے ہیں؟ ترتیب: مفتی محمد یونس

دلچسپ معلومات، مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

چند اصولی و فقہی باتیں

(افادات حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم)

ادھار خرید و فروخت میں فروخت کنندہ کا فروخت شدہ چیز کو اپنے قبضے میں رکھنے کے دو طریقے اور ان کا حکم

بیع موجل (ادھار خرید و فروخت) میں بائع (بیچنے والے) کے لئے مبیع (فروخت شدہ چیز) کو محبوس کرنے (یعنی اپنے پاس ہی روک لینے) کی مذکورہ بالا صورت (یعنی ادھار خرید و فروخت میں فروخت کنندہ کا فروخت شدہ چیز کو اپنے پاس اس وقت تک روکے رکھنا جب تک خریدار اس چیز کی ساری قیمت ادا نہ کردے یا کچھ قسطیں ادا نہ کردے) دو طریقوں سے ممکن ہے: ایک یہ کہ ثمن (فروخت شدہ چیز کی آپس میں طے شدہ قیمت) کی وصولیابی کے لئے مبیع (فروخت شدہ چیز) کو روک لیا جائے، دوسرے یہ کہ بطورِ رہن (گروی) کے مبیع (فروخت شدہ چیز) کو روک لیا جائے، دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں (یعنی) جب ثمن (طے شدہ قیمت) کی وصولی کے لئے مبیع (فروخت شدہ چیز) کو محبوس کیا (یعنی روکا) جائے گا اس وقت مبیع (فروخت شدہ چیز) مضمون بالثمن (یعنی اس صورت میں اگر فروخت شدہ چیز ضائع ہوجائے تو اس کی طے شدہ قیمت بطور تاوان دینی) ہوگی، مضمون بالقیمہ (یعنی بازاری قیمت بطور تاوان) نہیں (دینی) ہوگی، لہٰذا اگر حالتِ حبس (یعنی روکے ہوئے ہونے کی حالت) میں وہ مبیع (فروخت شدہ چیز) ہلاک (ضائع) ہوگئی تو اس صورت میں بیع (خرید و فروخت) فسخ (ختم) ہوجائے گی اور بازاری قیمت (مارکیٹ ریٹ) کا ضمان (تاوان) اس (یعنی خریدار) پر نہیں آئے گا، دوسری صورت یعنی رہن (گروی) رکھنے کی صورت میں اگر وہ مبیع (فروخت شدہ چیز) بائع (فروخت کنندہ) کے پاس تعدی (حفاظت میں کوتاہی) کے بغیر ہلاک (ضائع) ہوجائے تو بیع (خرید و فروخت) فسخ (ختم) نہیں ہوگی، بلکہ وہ مشتری (خریدار) کے مال سے ہلاک (ضائع) ہوگی اور مشتری (خریدار) کے ذمہ سے ثمن (طے شدہ مول) ساقط (معاف) نہ ہوگا اور اگر بائع (فروخت کنندہ) کی تعدی (یعنی حفاظت میں کوتاہی) کی وجہ سے (فروخت شدہ

چیز) ہلاک (ضائع) ہوئی ہوتو مرتہن (بائع) (یعنی فروخت کنندہ جس نے فروخت شدہ چیز کو اپنے پاس بطور گروی کے رکھا ہوا ہے) اس چیز کی بازاری قیمت (مارکیٹ ریٹ) کا ضامن (ذمہ دار) ہوگا ثمن (طے شدہ قیمت) کا ضامن (ذمہ دار) نہ ہوگا (فقہی مقالات ج ا ص ۸۷،۸۸)

قیمت کی وصولی کے لئے فروخت شدہ چیز کو روکنا

جہاں تک (اوپر ذکر کردہ دو صورتوں میں سے) پہلی صورت کا تعلق ہے یعنی ثمن (طے شدہ قیمت) کی وصولیابی کے لئے مبیع (فروخت شدہ چیز) کو روکنا بیع بالتقسیط (قسطوں پر خرید وفروخت) میں یہ صورت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ بیع بالتقسیط (قسطوں پر خرید وفروخت) بیع موجل (ادھار خرید وفروخت) ہے اور بائع (فروخت کنندہ) کو ثمن (طے شدہ قیمت) کے استیفاء (پوری پوری وصولی) کے لئے حبسِ مبیع (یعنی فروخت شدہ چیز کے روکنے) کا حق صرف نقد بیع (ہاتھوں ہاتھ سودے) میں حاصل ہوتا ہے، ادھار بیع (ادھار خرید وفروخت) میں یہ حق بائع (فروخت کنندہ) کو نہیں ملتا (ملاحظہ فتاویٰ ھندیہ ج ۳ ص ۱۵، باب نمبر ۴، کتاب البیوع) (فقہی مقالات ج ا ص ۸۸)

فروخت شدہ چیز کو قیمت کی وصولی کے لئے بطور گروی رکھنے کی دو صورتیں اور ان کا حکم

جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ مشتری (خریدار) کے ذمہ اس مبیع (فروخت شدہ چیز) کا جو ثمن (طے شدہ مول) واجب ہو چکا ہے، اس کے عوض میں بائع (فروخت کنندہ) وہی مبیع (فروخت شدہ چیز) بطور رہن کے اپنے قبضے میں رکھے (فقہی مقالات ج ا ص ۸۸) یہ صورت دو طریقوں سے ممکن ہے:

پہلا طریقہ: اول یہ کہ مشتری (خریدار) اس مبیع (فروخت شدہ چیز) پر قبضہ کرنے سے پہلے بائع (فروخت کنندہ) کے پاس بطور رہن چھوڑ دے یہ صورت تو جائز نہیں، اس لئے کہ یہ وہی صورت بن جاتی ہے کہ بائع (فروخت کنندہ) حصولِ ثمن (طے شدہ قیمت کی وصولی) کے لئے مبیع (فروخت شدہ چیز) کو اپنے پاس روک لے، حصولِ ثمن (طے شدہ قیمت کی وصولی) کے لئے حبسِ مبیع (فروخت شدہ چیز کو روکنا) بیع موجل (ادھار خرید وفروخت) میں جائز نہیں، جیسے کہ اوپر ذکر کیا گیا۔

دوسرا طریقہ: یہ ہے کہ مشتری (خریدار) اس مبیع (فروخت شدہ چیز) کو پہلے اپنے قبضے میں لے اور پھر بطورِ رہن کے وہی مبیع (فروخت شدہ چیز) بائع (فروخت کنندہ) کے پاس واپس رکھ دے، یہ صورت اکثر فقہاء کے نزدیک جائز ہے (ملاحظہ ہو الکفایہ شرح الہدایہ برحاشیہ فتح القدیر ج ۹ ص ۹۹) (فقہی مقالات ج ا ص ۸۹)

عبرت کدہ ﴿اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاِبْصَارِ﴾ مولوی طارق محمود

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

حضرت ابراہیم علیہ السلام (قسط۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ابتدائی زندگی

حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے قصبہ اُور کے باشندے تھے، اور آپ کا تعلق اہلِ فدان سے تھا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر کی عمر ۷۵ سال کی ہوئی تو ان کے ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو اور بھی بھائی تھے، جو کتبِ تاریخ میں ناحُور اور ھاراَن کے نام سے مشہور ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام ان میں درمیانے بھائی تھے، حضرت لوط علیہ السلام ھاراَن کے بیٹے تھے، اس لئے حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہوئے۔ [۱]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزَر نجاری (بڑھئی، ترکھان) کا پیشہ کرتے تھے، اور اپنی قوم کے مختلف قبائل کے لئے لکڑی کے بت بناتے اور فروخت کرتے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی سے سیدھی راہ دکھلادی تھی، اور اپنی عمر کے ابتدائی حصہ سے ہی حق کی بصیرت اور ہدایت عطا فرمائی تھی، اور وہ اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ یہ بت نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ کسی پکار کا جواب دے سکتے ہیں، نہ نفع ونقصان کے مالک ہیں، اور نہ لکڑی کے عام کھلونوں اور دوسری بنی ہوئی چیزوں کے اور ان بتوں کے درمیان کوئی فرق ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام صبح وشام اس چیز کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے کہ میرا باپ کس طرح ان بے جان مورتیوں کو اپنے ہاتھوں سے بناتا اور گھڑتا ہے اور جس طرح اس کا جی

---

[۱] ثعلبی نے عرائس المجالس میں نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ قریب آیا تو اس زمانہ کے نجومی وغیرہ بابل (عراق) کے بادشاہ نمرود بن کنعان کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ عنقریب ایک بچہ پیدا ہوگا جس کا نام ابراہیم ہوگا اور وہ تمہارے دین کے مخالف ہوگا اور تمہارے بتوں کو توڑ دے گا، تو نمرود نے ساری حاملہ عورتوں کو جمع کر کے قید کرنے کا حکم دیا، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ پر حمل کے آثار ابھی ظاہر نہیں ہوئے تھے، اس لئے وہ بچ گئیں، نمرود کے حکم سے ان سب حاملہ عورتوں کی پیدا ہونے والی اولاد کو ذبح کر دیا گیا، اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو ولادت کے بعد ان کے نشو ونما کی رفتار عام لوگوں سے زیادہ تھی، اس لئے ان کو کوئی پہچان نہیں سکا اور کچھ عرصہ بعد نمرود بھی اس بات کو بھول گیا۔

تاریخ الانبیاء میں ڈاکٹر طیب نجار نے ثعلبی کے حوالہ سے یہ حوالہ نقل کر کے اصولِ شرع کے حوالہ سے اس کی تردید کی ہے۔ ملاحظہ ہو، تاریخ الانبیاء ص۹۶

چاہتا ہے ان بتوں کی ناک، کان، آنکھیں اور جسم وپیکر تراشتا ہے اور پھر خریدنے والوں کے ہاتھ ان کو فروخت کردیتا ہے، تو یہ کیسے خدا ہوسکتے ہیں یا خدا کے مثل یا ہمسر ہوسکتے ہیں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کبھی کبھی اپنے بیٹے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب کہ آپ کی عمر ابھی چھوٹی تھی بت بنا کر دے دیتے تھے کہ ان بتوں کو جا کر بازار میں فروخت کردو، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان بتوں کو اٹھاتے اور بازاروں میں صدا لگاتے کہ کون ہے جو ایسی چیز کو خریدے جو کسی کو نہ نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان پہنچاسکتی ہے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ بت کوئی بھی نہ خریدتا تھا، پھر اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام ان بتوں کو لے کر ان کے سر پانی میں ڈبوتے اور بطور تمسخر اور استہزاء کے ان بتوں کو مخاطب کر کے کہتے کہ پیو، پیو۔

نبوت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت پرستی سے نفرت اور فطرت کے عجیب وغریب نظام میں غور وفکر کر کے اپنے ربِ حقیقی کی تلاش کی وجہ سے ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی، اور آپ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے، اور آپ کو یہ خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام عالَم میں سے خلیل چن لیا ہے، اور آپ کو تمام عالَم میں سے نبی اور رسول منتخب کرلیا ہے۔

قرآن مجید حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حق کی بصیرت اور رشد وہدایت کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ (۵۱) اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِىْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (۵۲) قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ (۵۳) قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۵۴) قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ (۵۵) قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِىْ فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ (سورة الانبياء آيت ۵۶)

ترجمہ: ’’اور بلاشبہ ہم نے ابراہیم کو اول ہی سے رشد وہدایت عطا کی تھی، اور ہم اس کے (معاملہ کے) جاننے والے تھے، جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا ’’یہ مجسمے کیا ہیں جن کی درگاہ میں تم مجاور بنے بیٹھے ہو‘‘ کہنے لگے ’’ہم نے اپنے باپ دادا کو ان ہی کی پوجا کرتے ہوئے پایا ہے‘‘ ابراہیم نے کہا ’’بلاشبہ تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں

ہیں، انہوں نے جواب دیا کیا تو ہمارے لئے کوئی حق لایا ہے یا یوں ہی تمسخر اور مذاخ کرنے والوں کی طرح کہتا ہے، ابراہیم نے کہا ’’یہ بت تمہارے رب نہیں بلکہ تمہارا پروردگار زمینوں اور آسمانوں کا پروردگار ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے اور میں اسی بات کا قائل وشاہد ہوں‘‘

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ان کی قوم بت پرستی، ستارہ پرستی میں اس قدر منہمک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا کوئی تصور بھی ان کے دل ودماغ میں باقی نہیں رہا، اور ان کی قوم پوری طرح شرک کی دلدل میں دھنسی ہوئی ہے، تو انہوں نے بڑی ہمت وبہادی کے ساتھ اللہ وحدہ لاشریک کے بھروسہ پر اپنی قوم کے سامنے ایمان اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت رکھی اور یہ اعلان کیا کہ:

’’اے میری قوم! تمہاری یہ کیا عجیب حالت ہے کہ تم اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کی عبادت میں مشغول ہو، اور تمہاری غفلت کا یہ عالم ہے کہ جس بے جان لکڑی کو اپنے آلات سے گھڑ کر اس سے مجسمے تیار کرتے ہو اور اگر وہ مجسمے اپنی مرضی کے مطابق نہ بنے تو ان مجسموں کو توڑ کر دوسرے بنا لیتے ہو، اور مجسمے بنا لینے کے بعد پھر انہی مجسموں کی تم عبادت کرنے لگتے ہو اور ان کو اپنے نفع ونقصان کا مالک سمجھتے ہو، اس لئے تم ان خرافات سے باز آجاؤ، اور ان بے شمار بتوں کی عبادت کو چھوڑ کر ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت شروع کر دو، اور اسی ایک مالکِ حقیقی کے سامنے اپنا سر جھکاؤ جو میرا، تمہارا اور ساری کائنات کا خالق ومالک ہے‘‘

مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ان کی دعوت پر بالکل کان نہ دھرا، اور ان کی دعوت کا انکار کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی دعوت کا مذاق بھی اڑانا شروع کر دیا، اور حد سے زیادہ سرکشی کا مظاہرہ کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد آزر کو دعوتِ اسلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ نظر آرہا تھا کہ شرک کا سب سے بڑا مرکز خود ان کے اپنے گھر میں قائم ہے، اور ان کے والد آزر کی بت سازی ساری قوم کے لئے مرجع ومحور بنی ہوئی ہے، اس لئے نبوت کے منصب کا تقاضا یہ ہے کہ دین کی دعوت اور صداقت کی ابتداء گھر ہی سے ہونی چاہئے، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے والد آزر ہی کو مخاطب کیا، اور فرمایا کہ اے میرے والد! آپ نے

جوراستہ اختیار کر رکھا ہے اور جس کو آپ اپنے آباء واجداد کا راستہ بتاتے ہو، یہ سراسر گمراہی اور باطل پرستی ہے، اور صراطِ مستقیم اور حق کا راستہ وہی ہے جس کی میں آپ کو دعوت دے رہا ہوں، اے میرے والد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ہی نجات کا واحد ذریعہ ہے، آپ کے ہاتھ کے بنائے ہوئے ان بتوں کی پرستش اور عبادت میں کوئی نجات نہیں، اس لئے آپ اس بت پرستی کے راستے کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے راستے کو اختیار کیجئے تاکہ اس کے نتیجہ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور دنیا وآخرت کی سعادت حاصل ہو جائے۔

مگر افسوس آزر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس نصیحت ودعوت کا کوئی اثر قبول نہیں کیا بلکہ الٹا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا، اور ان سے کہنے لگا اگر تو ان بتوں کی برائی سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ معاملہ اب حد سے بڑھ گیا ہے اور ایک جانب باپ کے احترام کا مسئلہ ہے اور دوسری جانب فریضہ کی ادائیگی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کا مسئلہ ہے تو انہوں نے اس موقعہ پر وہی کیا جو ایسے برگزیدہ انسان اور اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر کی شایانِ شان تھا کہ انہوں نے باپ کی سختی کا جواب سختی سے نہیں دیا اور نہ ہی باپ کی تحقیر وتذلیل کی، بلکہ نرمی، ملاطفت اور بڑے اچھے اخلاق کے ساتھ اپنے والد کو یہ جواب دیا کہ اے میرے والد! اگر میری بات کا یہی جواب ہے تو آج سے میرا اور آپ کا راستہ الگ الگ ہے، میں خدا کے سچے دین اور حق بات کے پیغام کو نہیں چھوڑ سکتا اور کسی حال میں بھی بتوں کی عبادت نہیں کر سکتا، میں آج سے آپ سے جدا ہوتا ہو، مگر غائبانہ طور پر اللہ تعالیٰ کے دربار میں آپ کے لئے دعا مانگتا رہوں گا تاکہ آپ کو ہدایت نصیب ہو اور آپ خدا کے عذاب سے نجات پا جائیں۔

سورہ مریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے والد کی گفتگو کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا (۴۱) اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَالَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا (۴۲) يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا (۴۳) يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِالشَّيْطٰنَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا (۴۴) يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ

يَـمَسَّكَ عَـذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا(۴۵) قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ
عَنْ اٰلِهَتِیْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِيًّا(۴۶) قَالَ سَلٰمٌ
عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُلَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِيًّا(۴۷) وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِيًّا(۴۸)

ترجمہ: ''اوراے پیغمبر کتاب (قرآن مجید) میں ابراہیم کا ذکر کر، یقیناً وہ مجسمِ سچائی تھا اور اللہ کا نبی تھا، اس وقت کا ذکر جب اس نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ تو کیوں ایک ایسی چیز کی پوجا کرتا ہے جو نہ تو سنتی ہے نہ دیکھتی ہے، نہ تیرے کسی کام آسکتی ہے، اے میرے باپ! میں سچ کہتا ہوں علم کی ایک روشنی مجھے ملی گئی ہے جو تجھے نہیں ملی، پس میرے پیچھے چل میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں گا، اے میرے باپ! شیطان کی بندگی نہ کر، شیطان تو خدائے رحمٰن سے نافرمان ہو چکا، اے میرے باپ! میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو، خدائے رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب تجھے گھیرے، اور تو شیطان کا ساتھی ہو جائے! باپ نے (یہ باتیں سن کر) کہا ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ یاد رکھ اگر تو ایسی باتوں سے باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر کے چھوڑوں گا، اپنی خیر چاہتا ہے تو جان سلامت لے کر مجھ سے الگ ہو جا، ابراہیم نے کہا اچھا میرا اسلام قبول ہو (میں الگ ہو جاتا ہوں) اب میں اپنے پروردگار سے تیری بخشش کی دعا کروں گا، وہ مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے، میں نے تم سب کو چھوڑا اور انہیں بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پکارا کرتے ہو، میں اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں، امید ہے اپنے پروردگار کو پکار کے میں محروم ثابت نہیں ہونگا''

سورۃ الانعام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد آزر کو نصیحت کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً. اِنِّیْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ
مُّبِيْنٍ(۷۴)

ترجمہ: ''اور (وہ وقت یاد کر) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا ٹھہراتا ہے تو بتوں کو خدا، میں تجھ کو اور تیری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتا ہوں''

(جاری ہے............)

طب و صحت

حکیم محمد فیضان

طبی معلومات ومشوروں کا مستقل سلسلہ

کیلا (BANANA)

کیلے کا شمار لذیذ ترین پھلوں میں ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں شاید آم کے بعد سب سے لذیذ سستا قوت بخش اور زیادہ کھائے جانے والا پھل کیلا ہے۔ کھانے میں خوش ذائقہ۔ عمدہ خوشبو۔ صحت بخش، بہت شوق سے کھایا جانے والا پھل ہے۔ کہتے ہیں کہ کیلا ایک قدیم ترین پھل ہے، یہ قبل از زمانہ مسیح سے زیر استعمال ہے۔ 32 سال قبل مسیح سکندر اعظم نے اس کو دریائے سندھ کی وادی میں کاشت ہوتے دیکھا تھا۔ مگر اس وقت دنیا بھر کے ممالک کے میدانی علاقوں میں کاشت کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں کراچی کیلے، پپیتے، اور ناریل کے پھلوں کے لئے مشہور ہے۔ مگر حیدرآباد میں بھی کافی مقدار میں اس کی کاشت کی جاتی ہے۔

کیلے کو عربی زبان میں موز، بنگالی میں کلہ، سندھی میں کیلو، انگریزی زبان میں BANANA کہتے ہیں

مزاج

اطباء کی رائے کے مطابق گرمی سردی میں معتدل اور دوسرے درجہ میں تر ہے۔ بعض کے نزدیک گرم تر ہے

کیلے کی بہت ساری اقسام برصغیر پاک ہند میں کاشت کی جاتی ہیں، ہر قسم اپنا الگ ذائقہ، حلاوت، غذائی خصوصیت، قوت بخشی کا معیار، اور خوشبو رکھتی ہے ان میں سے چند مشہور اقسام کے نام حسب ذیل ہیں۔

انوپان، سلہٹ، ڈھاکا جنگلی، مال ٹھوک، سون کیلا، بیجا، کوئنی، رائے کیلا، رام کیلا، چینیہ، بگیرا، نہنگا، چمپا، صفری، بھینہ، بمبئ کا کیلا، ہری چھال کا کیلا، اور چتلی دار کیلا، وغیرہ۔

سائنسی تجزیئے کے مطابق آدھا کلو کیلے میں 450 حرارے ہوتے ہیں۔ کیلے میں ٹھوس غذا زیادہ ہوتی ہے، اور پانی کم ہوتا ہے صحت بخش شکر کی کثرت اسے زود ہضم بنادیتی ہے، جو لوگ تکان محسوس کرتے ہوں ان کے لئے کیلا بہت مفید چیز ہے۔ کیلا آیوڈین کی کمی کو دور کرتا ہے۔ اس لئے آیوڈین کی کمی سے ہونے والے تمام امراض میں بھی مفید ہے۔ پکے کیلے میں نشاستہ زیادہ ہوتا ہے، اس میں سالٹ اور فروٹ شوگر بھی زیادہ ہوتی ہے۔ کیلے میں 80% اجزا کھانے کے قابل اور 20% چھوڑ دینے کے

Iqra Ghufran

قابل ہوتے ہیں۔ اس میں تقریباً 3/4 پانی 1/5 شکر اور باقی نشاستہ شحمی ریشے معدنیات حیاتین ہوتے ہیں۔ کاربن زیادہ ہونے کی وجہ سے کیلا کھانے سے کام کرنے کی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسرے پھلوں کی نسبت نائٹروجن زیادہ ہونے کی وجہ سے جسم پر گوشت میں اضافہ اور جسم مضبوط ہوتا ہے۔ کیلے میں کیلشیم، (چونا) میگنیشیم، فاسفورس، سلفر (گندھک) لوہا، تانبا، اسٹابری کے بعد کیلے میں سب پھلوں سے زیادہ لوہا ہوتا ہے۔ کیلے میں پروٹین اور چربی بہت ہی کم مقدار میں پائی جاتی ہے۔

وٹامن کے لحاظ سے کیلا مفید ترین پھلوں میں سے ہے، کیوں کہ اس میں وٹامن اے، وٹامن بی، اور وٹامن سی، بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ وٹامن ڈی، وٹامن ای، بھی پائے جاتے ہیں۔ وٹامن سی کی وجہ سے کیلا دانتوں کی بیماریوں میں مفید ہے۔ کاربوہائیڈریٹ بھی وافر مقدار میں پایا جاتا ہے، اس لئے بچوں کے لئے بہت مفید ہے۔ کیلے کا سفوف دودھ میں ملا کر بچوں کو دیا جائے تو بہت فائدہ دیتا ہے۔ ڈاکٹر ٹامس کے مطابق جن بچوں پر اس خوراک کا تجربہ کی گیا وہ چھ ماہ ہی میں قد اور جسمانی حالت کے لحاظ سے دوسرے بچوں سے بڑھ گئے ان کے دانت سفید، چمکدار اور مضبوط ہو گئے۔ اسکول جانے والے جو بچے کمزور اور مریل سے تھے ان کو روزانہ دو گلاس دودھ اور دو کیلے دینے سے بہت فائدہ ہوا۔ جن بچوں سے ماں کا دودھ چھڑا دیا گیا ہو اگر ان کو ایک عدد پکے ہوئے کیلے کا نصف گودا ضرورت کے مطابق دودھ میں ملا کر استعمال کرایا جائے تو بچہ دوسری غذاؤں سے بے نیاز ہو جاتا ہے، اور یہ بچے کی پرورش کے لئے کافی ہے۔ بچوں کو دست آنے کی شکایت ہو تو کیلے کا استعمال مفید ہے، کیوں کہ پیچش اور دستوں کے مریضوں کو کیلے کے استعمال سے فائدہ ہوتا ہے۔ بطور دوا کیلے کے پھل، جڑ، پتے، وغیرہ، درخت کے تمام حصے استعمال کئے جاتے ہیں۔ خشک کھانسی اور گلے کی خوشونت کو دور کرتا ہے۔ اندرونی بیرونی کسی بھی مقام سے خون آنے کو روکتا ہے۔ کثرت حیض کو روکنے کے لئے اس کے رس کا پلانا فوری علاج ہے۔ کیلے کے پتوں کی راکھ حیض کو بند کرنے میں نافع ہے، کیلا بلڈ پریشر کے مریضوں کے لئے بھی بیحد مفید ہے، کیوں کہ اس میں نمک نہیں ہوتا اور پوٹاسیم نمایاں مقدار میں پایا جاتا ہے۔ کیلا دل کو فرحت دیتا ہے۔ کیلا (بلڈ) خون کی کمی کو دور کرتا ہے۔

مسلسل کھانے سے بدن کو موٹا کرتا ہے۔ قوت باہ کو قوی کرتا ہے، اس لئے مردانہ کمزوری میں کیلا کھانے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ جلے ہوئے کے مقام پر اس کا لیپ لگانا جلن اور سوزش و درد کو دور کرتا ہے

کیلے کا بطور دوا استعمال

لیکوریا کیلئے: کچا کیلا اور کچی گولر مع چھلکا ہموزن لے کر سفوف بنالیں۔ اس سفوف کو ایک تولہ صبح و شام استعمال کرنے سے سیلان الرحم کو فائدہ ہوتا ہے صرف کچے کیلے کی پھلی کھانا بھی مفید ہے۔ (دیگر) کھانڈ گائے کا گھی اور کیلا تینوں باہم حل کر لیں اس میں دار چینی ڈیڑھ تولہ، لودھ، ایک تولہ، ڈھاک کے پھول، بڑی الائچی ہر ایک چھ ماشہ، سونٹھ، آٹھ تولہ مازو پھل، تین ماشہ خوب باریک پیس کر شامل کریں اسے دو تولہ صبح شام کھانے سے مرض سیلان الرحم کو بہت فائدہ پہنچتا ہے۔

سانپ کے کاٹے کے لئے: اگر کسی کو سانپ کاٹ لے تو اسے کیلے کا تازہ رس نکال کر فوراً پلا دیا جائے دو پیالے رس پلانے سے مارگزیدہ اچھا ہو جاتا ہے۔

نکسیر اور پیشاب کی تکلیف کے لئے: کیلے کے تنے کا رس سونگھنے سے نکسیر کا عارضہ جاتا رہتا ہے۔ کیلے کے تنے کا پانی پینے سے پیشاب کی جلن اور سوزش رفع ہو جاتی ہے۔

آشوب چشم: گرمی کے آشوب چشم کے لئے کیلے کے پتے آنکھ پر باندھنے سے یہ تکلیف رفع ہو جاتی ہے

یرقان کے لئے: ایک کیلے کی پھلی کو چھیل کر اس کے گودے پر بجھا ہوا پان میں کھانے والا چونہ لگا دیں اور چھلکا اسی طرح لگا دیں جیسا کہ چھیلنے سے پہلے تھا اور اس کو ساری رات اوس (شبنم) میں لٹکا دیں، صبح نہار منہ چھلکا دور کر کے کیلے کو چونے سمیت کھالیں اس طرح تین روز تک کریں انشاء اللہ فائدہ ہوگا۔ کیلے کو نہار منہ استعمال نہیں کرنا چاہیے، اس سے نظام ہضم میں گڑبڑ ہونے کا امکان ہے بلکہ ہمیشہ کھانا کھانے کے بعد استعمال کرنا چاہیے۔ اگر کیلا کھانے کے بعد دودھ بھی پی لیا جائے تو جسمانی نشوونما میں بہت مدد ملتی ہے۔ کہتے ہیں کہ جہاں کیلے کا درخت ہو وہاں سانپ نہیں آتا۔

IdaraGhufran

اخبار ادارہ مولانا محمد امجد حسین

ادارہ کے شب وروز

□...... جمعہ ۲۸/ شعبان ۵/۱۲ ار مضان المبارک تینوں مسجدوں میں حسبِ معمول وعظ ومسائل کی نشستیں ہوئیں۔

□...... جمعہ ۲۸/ شعبان بعد مغرب پندرہ روزہ نشست بسلسلہ جائزہ وغور وفکر مجوزہ نصابِ تعلیم شعبہ کتب ادارہ ھٰذا منعقد ہوئی۔

□...... جمعہ ۲۱/ شعبان بعد نمازِ عشاء مسجد امیر معاویہ کوہاٹی بازار میں حضرت مدیر دامت برکاتہم نے جناب عابد صاحب کی بچی کا مسنون نکاح پڑھایا۔

□......اتوار ۲۳/ شعبان بعد عصر حسبِ معمول اصلاحی مجلس ملفوظات منعقد ہوئی، آئندہ رمضان المبارک میں یہ ہفتہ وار مجلس موقوف رہے گی۔

□......اتوار ۳۰/ شعبان کی شام رمضان المبارک کی پہلی تراویح پڑھی گئی، ادارہ میں امسال تراویح کی درج ذیل ترتیب ہے، مسجدِ امیر معاویہ میں حسبِ معمول حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم بنفسِ نفیس تراویح میں قرآن مجید سنا رہے ہیں، ادارہ کے مرکزی ہال میں بندہ محمد امجد، باقی مختلف حصوں میں مولانا طارق محمود صاحب، مولانا عبدالواحد صاحب، قاری فضل الحکیم صاحب، قاری محمد ھارون صاحب زید مجدہم سنا رہے ہیں، مولوی محمد ناصر صاحب مسجد نسیم (گل نور مارکیٹ مری روڈ) میں سنا رہے ہیں، طلبہ شعبہ کتب وحفظ بھی جوڑیوں کی شکل میں مختلف جگہوں پر اور ادارے میں قرآن مجید سنا رہے ہیں۔

□......اتوار ۷/ رمضاب کو حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم کا محلّہ کرتار پورہ میں جناب مظہر قریشی صاحب مرحوم کے گھر خواتین کے لئے بیان ہوا۔

□......سوموار ۲۴/ شعبان بندہ محمد امجد اور مولوی ابرار حسین صاحب اسلام آباد میں اسلامی بینکاری کے سلسلہ میں ہونے والے ایک فقہی مذاکراتی مجلس میں ادارہ کی طرف سے شریک ہوئے، اس مجلس کے مہمانِ خصوصی ڈاکٹر عمران اشرف صاحب زید مجدہ تھے۔

□...... بدھ ۲۶/ شعبان بعد ظہر طلبہ کرام کے لئے حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم کا ہفتہ وار اصلاحی بیان ہوا، رمضان میں یہ مجلس موقوف رہے گی۔

□......رمضان المبارک کے آغاز سے ہی ادارہ کی دوسری منزل میں تعمیراتی کام کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

Idara Ghufran

اخبارِ عالم

مولوی ابرار حسین ستی

دنیا میں وجود پذیر ہونے والے اہم ومفید حالات وواقعات، حادثات وتغیرات

✍ **20 ستمبر 2006ء 26 شعبان 1427ھ**: پاکستان: 2007ء تک پورے پنجاب میں گاڑیوں کی کمپیوٹرائزڈ رجسٹریشن (Computerized Registration) کا کام مکمل کر لینگے ،کمپیوٹرائزڈ نظام سے گاڑیوں کی چوری کے واقعات کی روک تھام میں مدد ملے گی، وزیر اعلیٰ پنجاب پرویز الٰہی ۞ دوسروں کے پاس ایٹمی اسلحہ ہے تو مسلمانوں کو بھی اسکا حق (Right) ملنا چاہئے سابق وزیر اعظم ملائشیا، مہاتیر محمد ✍ **21 ستمبر**: پاکستان: وزیر اعظم کا رمضان پیکج 1450 اشیاء کی قیمتوں میں کمی کا اعلان، 27 کروڑ کی سبسڈی خصوصی طور پر رمضان المبارک کے لیے ہوگی جبکہ چینی اور دالوں پر 38 کروڑ کی سبسڈی پہلے ہی دی جارہی ہے، جو آئندہ بھی جاری رہے گی، 65 کروڑ کی سبسڈی (Subsidy) سے دیئے گئے پیکج (Package) پر یوٹیلٹی سٹورز کے ذریعے عمل درآمد ہوگا یوٹیلٹی سٹورز اتوار کو بھی کھلے رکھے جائیں گے ✍ **22 ستمبر**: پاکستان: نائن الیون (11/9) حملوں کے بعد امریکہ نے پاکستان کو پتھر کے دور میں دھکیلنے کی دھمکی دی تھی، صدر پرویز مشرف ✍ **23 ستمبر**: پاکستان: وفاق المدارس العربیہ کے سالانہ امتحانات 1427ھ کے نتائج کا اعلان، کامیابی کا تناسب 86.10 فیصد رہا ✍ **24 ستمبر**: پاکستان: روات کے قریب جی ٹی روڈ پر خوفناک حادثہ، 16 افراد جاں بحق، 45 زخمی، راولپنڈی سے لاہور جانے اور دوسری سمت سے آنے والی بسیں علی الصبح سوزوکی کو بچاتے ہوئے آپس میں ٹکرا گئیں، زخمی سنٹر ہسپتال منتقل ۞ چین کے اشتراک سے تیار کردہ جے ایف (JF-17) تھنڈر طیارے اگلے سال پاکستان کو مل جائیں گے ✍ **25 ستمبر**: پاکستان: ملک بھر میں بجلی کا غیر معمولی بریک ڈاؤن ،حکومت کے خاتمے کی افواہیں چارسو پھیل گئیں، اتوار 24 ستمبر کو دوپہر دو بجے سے کم وبیش چھ بجے شام تک پورے ملک میں بجلی بند رہی ✍ **26 ستمبر**: پاکستان: فوجی عدالتوں کے خلاف سماعت کا اختیار نہیں، سپریم کورٹ ،مشرف حملہ کیس کے ملزمان کی سزا برقرار ✍ **27 ستمبر**: پاکستان: بجلی کا بریک ڈاؤن فنی خرابی کے باعث ہوا، دہشت گردی کی کاروائی نہیں، وفاقی وزیر بجلی ✍ **28 ستمبر**: بھارت: کھوکھرا پار مونا باؤ ٹرین سروس کے مسافر واہگہ کے راستے بھارت جاسکتے ہیں، بھارتی ہائی کمیشن ✍ **29 ستمبر**: پاکستان: کرزئی سب کو تباہی کی طرف لے جارہے ہیں، اسامہ زندہ اور افغانستان میں ہیں، صدر جنرل پرویز مشرف ✍

Idara Ghufran

30 ستمبر: واشنگٹن: افغان صورتِ حال سے مایوس ہوں، طالبان پھر منظم ہو رہے ہیں، بش ✍ **یکم اکتوبر:** پاکستان: پنجاب کابینہ کا اجلاس سستا راشن سکیم کے تحت کم وسائل والے خاندانوں کی رجسٹریشن کا فیصلہ ✍ **2 اکتوبر:** لبنان: تین ماہ کے بعد لبنان سے اسرائیلی فوج کا انخلاء مکمل ہو گیا، آخری اسرائیلی فوجی دستے اسلحہ، ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے ہمراہ وطن واپس روانہ ہو گئے ✍ **3 اکتوبر:** پاکستان: وزارت مذہبی امور نے چین سے آنے والے عمرہ زائرین کے لئے حج کمپلیکس میں مفت قیام وطعام کا بندوبست کر دیا ✍ **4 اکتوبر:** شمالی کوریا: شمالی کوریا نے ایٹمی تجربات کا اعلان کر دیا عالمی امن کے لئے خطرہ ہوگا، امریکہ برطانیہ ✍ **5 اکتوبر:** پاکستان: ایوب پارک میں زوردار دھماکہ، آواز اسلام آباد تک سنی گئی جس مقام پر دھماکہ ہوا وہ آرمی گالف کلب سے چند گز جبکہ صدر مملکت کی رہائش گاہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے، دھماکے کے فوراً بعد پارک سیل کر دیا گیا ✍ **6 اکتوبر:** پاکستان: وفاقی دارالحکومت، دہشتگردی کا منصوبہ ناکام، ایوانِ صدر و پارلیمنٹ ہاوس کے سامنے سے دوراکٹ برآمد ✍ **7 اکتوبر:** پاکستان: حج 2006ء 63592 خوش قسمت عازمین کے نام فائنل پہلی پرواز 24 نومبر کو روانہ ہوگی، 11408 افراد کو بغیر قرعہ اندازی حج پر بھیجا جائے گا، پارلیمنٹرین کوٹہ کے 3500 افراد بھی اس میں شامل ہیں حجاج کو حجاز مقدس پہنچانے کے لئے پروازیں 24 نومبر سے 25 دسمبر تک جاری رہیں گی، واپسی کے پہلی پرواز 4 جنوری کو شروع ہوگی، اعجاز الحق کی پریس کانفرنس۔

عید کی رات

عید کی رات بڑی اہم اور فضیلت والی رات ہے، احادیث میں اس رات کے بڑے فضائل آئے ہیں، مگر افسوس کہ آج لوگوں نے اپنے آپ کو ان سب فضیلتوں سے محروم کیا ہوا ہے بلکہ اس رات کو طرح طرح کی لغویات، فضولیات، سیر و تفریح، گانے بجانے وغیرہ جیسی خرافات کی نظر کر کے نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق کیا ہوا ہے، زیادہ عبادت اس رات میں کوئی نہ کر سکے تو کم از کم عشاء باجماعت پڑھ کر سو جائے اور فجر باجماعت اٹھ کر ادا کر لے، عید کے دن فجر کی نماز عموماً باجماعت نہیں پڑھتے بلکہ قضاء تک ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے عید کی ایک اہم سنت یعنی صبح سویرے اٹھنا بھی فوت ہو جاتی ہے، عید کا چاند نظر آنے پر آتش بازی یا اسلحہ سے خوشی کا اظہار کرنا گناہ ہے۔

Chain of Useful Islamic Information

By Mufti Muhammad Rizwan - Translated by Abrar Hussain Satti

Seeking Religious Knowledge Is Obligatory

Nowadays most of the people believe that if they seek religious knowledge, (ilm) they'll be obligated to act on it. So to avoid their actions (amaal) on the knowledge they seek, they usually refrain from seeking the knowledge. Whereas, in reality, acting upon the knowledge of good deeds (amal or naiki) is not obligatory (farz) but seeking of knowledge is obligatory for every Muslim.

The acts (amaal) which are obligatory in Islam, seeking of their knowledge has also been made obligatory & the acts which are wajib (obligatory), seeking of their knowledge has also been made wajib (obligatory) and the acts which are sunnah or mustahib, seeking of their knowledge has also been made sunnah or mustahib. And acts which are obnoxious (haraam), seeking of their

knowledge has also been made obligatory (farz). So if a person does not acquire knowledge of all these deeds (good or bad) he can commit many sins in ignorance, which can be a big loss.

So seeking of knowledge for every Muslim as per his requirement is obligatory (farz) and acting upon such acquired knowledge is another obligation (farz). But if a Muslim does not act on acquired knowledge, even then he is obligated to seek knowledge because, it is clearly mentioned in a famous Hadees Shareef:

“طلب العلم فريضة„

which means “Seeking of (religious) knowledge is Farz obligatory)”

The person who acquires knowledge has fulfilled one act but if he does not act upon acquired knowledge, he commits a single sin by ignoring what he has learnt but the person who neither seeks knowledge nor acts upon it commits double sins ! one for not seeking knowledge and the other for not acting upon it.

(To be continued …)